تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریک خلافت پاکستان کا ترجمان

ہفت روزہ

لاہور

ندائے خلافت

لاہور

بانی : اقتدار احمد مرحوم

۱۴/ جنوری ۱۹۹۸ء

مدیر : حافظ عاکف سعید

نفس کی غلامی بہتر ہے یا اس پر حکمرانی؟

ایک شخص وہ ہے جو اپنی خواہشات نفسانی کا غلام ہے' دوسرا وہ جو ان پر حاکم و آقا ہے۔ ایک وہ جو اپنی ہر ہوائے نفس سے مغلوب ہو جاتا ہے' دوسرا وہ جو اسے اپنے قابو و اختیار میں رکھتا ہے۔ ایک شخص وہ ہے جو اپنی بھوک' اپنی پیاس' اپنی نیند' اپنی حرص' اپنے غصہ' کسی شے پر قابو نہیں رکھتا' دوسرا وہ جو ان میں سے ہر شے کے ضبط پر قدرت رکھتا ہے۔ آپ ایسے دو شخصوں میں سے کس کو ترجیح دیں گے؟ آپ خود ان دونوں میں سے کیا بننا پسند کریں گے؟ آپکے نزدیک نفس کی غلامی بہتر ہے یا اس پر حکمرانی؟ اگر آخر الذکر بہتر و پسندیدہ ہے تو پھر یہ کیا ہے کہ ماہ رمضان کی پیشوائی کو آپ ذوق و شوق' مسرت و خندہ جبینی کے ساتھ نہیں بڑھتے؟

نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ دائم الصوم تھے۔ شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنی عمر کے سالہا روزہ رکھ کر گزارے' جنید بغدادیؒ کا مشہور مقولہ ہے کہ مجھے جو کچھ ملا' سب بھوک اور گرسنگی ہی کے طفیل ملا۔ مولانا رومؒ کا عمل خود انہی کی اس تعلیم پر تھا' کہ منزل حق کی جتنی راہیں کھلتی ہیں سب بھوک اور پیاس سے کھلتی ہیں۔ ہر سلسلے کے جتنے مقدس بزرگ اور مستند صوفی گزرے ہیں' سب کا عمل یہی رہا ہے اور تعلیم بھی یہی۔ مگر پھر یہ کیوں ہے' کہ آپ باوجود ان حضرات سے اعتقاد ظاہر کرنے اور باوجود ان کے ماننے کے' اس باب میں ان کی تعلیم سے اس قدر بے پروا اور ان کے عمل سے اس قدر بے نیاز ہیں؟

نماز میں جس طرح عبدیت کی تکمیل ہوتی ہے' ٹھیک اسی طرح روزہ دار کو اخلاق الٰہی کے ساتھ کس درجہ مناسبت و مشابہت پیدا ہو جاتی ہے۔ بھوک اور پیاس سے بے نیازی' صبر و ضبط' قوت و اختیار' حلم و تحمل' عفو و درگزر' یہ سب شانیں بندہ کی ہیں' یا مولیٰ کی؟ عبد کی یا معبود کی؟ خاک کے پتلے کی یا آسمان کے فرمانروا کی؟ پھر یہ کیونکر ہے کہ جو شے کچھ ہی دیر کے لئے سہی' آپ میں اس کیفیت سے مناسبت پیدا کر رہی ہو جو شے ذرہ میں آفتاب کا پرتو ڈال رہی ہو۔ جو شے آئینہ میں جلا پیدا کر کے اسے نورانیت کاملہ کا عکس قبول کرنے کے قابل بنا رہی ہو' آپ اس نعمت عظیمہ کی جانب لپکنے میں تامل کر رہے ہیں؟

حدیث قدسی کے الفاظ یاد کیجئے ((الصوم لی وانا اجزی بہ)) "روزہ میرے لئے ہے اور اس کا اجر خود میں ہوں۔" حوریں نہیں' جنت کے قصر و محل نہیں' کوئی اور ایسی نعمت نہیں' جسے مادی عقل سمجھ سکے بلکہ میں خود اس کا اجر ہوں"۔ یہ کون کس سے کہہ رہا ہے؟ آفتاب ذرہ سے نہیں' مخدوم خادم سے نہیں' شاہ گدا سے نہیں' بلکہ خالق مخلوق سے' معبود عبد سے' خدا بندہ سے! کیا زمینوں اور آسمانوں کی ساری نعمتیں' ساری برکتیں' ساری بادشاہتیں مل کر بھی اس ایک اجر کے سامنے پیش کی جا سکتی ہیں؟ کیسی دردناک نادانی ہوگی کہ اتنے ارزاں سودے کو بھی اپنی غفلت و بے پروائی کی نذر کر دیا جائے۔

(اقتباس از "تفسیر ماجدی" مولانا عبدالماجد دریابادی)

شمارہ : 2

قیمت : 2 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

مرزا ایوب بیگ

ستائیس رمضان المبارک کی تعطیل

وزیراعظم پاکستان میاں نواز شریف نے اعلان کیا ہے کہ ستائیس رمضان المبارک کو ملک بھر میں عام تعطیل ہو گی۔ وزیراعظم پاکستان نے یہ وضاحت نہیں کی کہ یہ چھٹی اس لئے دی جا رہی ہے تاکہ ستائیس کی شب کو حالت قیام اور سجود میں گزارنے والے رات کے راہب دن کے وقت آرام کر سکیں یا ۱۴/اگست کی بجائے ستائیس رمضان المبارک کو یوم پاکستان قرار دے کر دینی جماعتوں کے پرانے مطالبے کو شرف قبولیت بخشا گیا ہے۔ بہرصورت ہم وزیراعظم پاکستان کے اس اعلان کا خیر مقدم کرتے ہیں' لیکن ہم اپنے اس اصولی موقف پر قائم ہیں کہ نہ جمعہ کی ہفتہ وار تعطیل کے ختم کر دینے سے اسلام کے کاز کو کوئی شدید نقصان پہنچا ہے اور نہ ہی محض ستائیس رمضان المبارک کو عام تعطیل کے اعلان سے ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کی طرف کوئی پیش رفت ممکن ہو گی۔ ہمارا تجربہ یہ ہے کہ ہمارے حکمران اسلام کے نام کو' اس کی روایات کو' اسلامی تہواروں حتیٰ کہ اسلامی اصطلاحات کو محض اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ ہمیں اس معاملے میں ایوب خان کے بعد کے حکمرانوں سے لے کر موجودہ حکمرانوں تک سب کا رویہ اور طریقہ کار صد فیصد یکساں نظر آتا ہے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ لیاقت علی خان سے لے کر صدر ایوب تک ہمارے کسی حاکم نے ایک آدھ واقعہ کو چھوڑ کر اسلام کے ساتھ اپنے کسی ظاہری و باہری تعلق کا بھی اظہار کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ ان کا اسلام سے اس سے زیادہ تعلق نہیں ہوتا تھا کہ عید کے روز شیروانی پہن کر شہر کی مرکزی عیدگاہ میں نماز عید پڑھی جائے اور خواص سے بغلگیر ہوتے ہوئے ان کی تصاویر اخبارات کی زینت بن جائیں۔ ایوب خان نے تو ایسے عائلی قوانین نافذ کئے جنہیں شرعی قوانین کی ضد کہنا غلط نہ ہو گا۔ وہ پاکستان کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان کی بجائے جمہوریہ پاکستان رکھنا چاہتے تھے اور لفظ "اسلامی" کو حذف کرنا چاہتے تھے' اس خواہش کا انہوں نے کھلم کھلا اظہار کیا اور اسے مخفی نہیں رکھا تھا۔ اگر قدرت اللہ شہاب آڑے نہ آتے تو وہ ایسا کر گزرتے۔ یعنی ان کے رویئے کو کافرانہ تو کہا جا سکتا ہے منافقانہ نہیں کہا جا سکتا' لیکن بعد ازاں ہمارے ہاں منافقت در آئی اور وہ گہری سے گہری ہوتی چلی گئی۔ سوشلزم جس کے بارے میں دنیا بھر میں یہ تاثر تھا کہ یہ مذہب دشمن نظام ہے لیکن پاکستان میں جب ذوالفقار علی بھٹو نے سوشلزم کا نعرہ لگایا تو اس کے ساتھ "اسلامی" کا پیوند لگا دیا۔ بعد ازاں ۱۹۷۷ء میں جب انہوں نے اقتدار کی ایک ٹرم مکمل کر لی تو قومی اسمبلی میں اگلے انتخابات کی تاریخ کے اعلان کے ساتھ ساتھ ملک بھر میں اتوار کی بجائے جمعہ کی ہفتہ وار تعطیل کا اعلان کر دیا۔ ظاہر ہے انہوں نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ اگر وہ دوبارہ برسراقتدار آ گئے تو اسلام کے راستے پر گامزن ہوں گے۔ جب ان کے خلاف تحریک نظام مصطفیٰ فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو گئی تو انہوں نے جوئے' ریس اور شراب پر مکمل پابندی لگا دی اور تمام غیر اسلامی قوانین کو چھ ماہ میں ختم کر دینے کا اعلان کر دیا۔ ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں دھاندلی کے خلاف تحریک چلائی گئی' یہ تحریک چند دن میں دم توڑ جاتی لیکن اس اینٹی بھٹو تحریک پر نظام مصطفیٰ کا لیبل چسپاں کر دیا گیا اور کئی جانی قربانیوں کے نتیجے میں بھٹو ایوان حکومت سے رخصت ہوئے اور ضیاء الحق چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بن کر ملک پر مسلط ہو گئے۔ انہوں نے اپنے آپ کو اسلام کے چیمپئن کے طور پر پیش کیا۔ بینکوں کے کھاتے اور سیونگ ڈیپازٹس پر زکوٰۃ لگا کر اور صلوٰۃ کیٹیاں بنا کر اعلان کر دیا کہ انہوں نے زکوٰۃ و صلوٰۃ کے نظام کا نفاذ کر دیا ہے۔ وفاقی شرعی عدالت قائم کر دی گئی' لیکن اسے ان تمام معاملات میں جن سے کسی بنیادی تبدیلی کا امکان تھا' دخل دینے سے روک دیا گیا' جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلامائزیشن کے عمل کا چرچا تو بہت ہوا جبے اور قبے والوں کو خوب نوازا گیا' وہ سرکاری سطح پر مختلف مراعات سے مستفید ہوتے اور انہیں باقاعدہ VIP پروٹوکول دیا جاتا۔ لہٰذا علماء حضرات اور اسلام پسند جماعتوں میں وہ بڑے ہردلعزیز ہو گئے لیکن باطل نظام جوں کا توں قائم رہا اور عوام کی حالت میں رتی بھر کوئی تبدیلی نہ آئی اور اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ ضیاء دور میں عام لوگ اسلامائزیشن کے عمل سے سخت مایوس ہوئے۔ موجودہ وزیراعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف جو ضیاء الحق کی دریافت ہیں' ان کے معنوی بیٹے' شاگرد اور سیاسی وارث ہیں۔ اب تک کے تجربے کے مطابق وہ بھی اسلام کے معاملے میں زبانی جمع خرچ سے کام چلانا چاہتے ہیں۔ ایسا اسلام جو ان کے اقتدار کے لئے خطرہ نہ بنے' جس سے status que قائم رہے وگرنہ کرنے کا اصل کام تو یہ تھا کہ معیشت کو سود کی لعنت سے پاک کیا جاتا' ملک سے جاگیرداری نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جاتا' ملک کو ایسا سیاسی نظام دیا جاتا جس سے سیاست پر وڈیروں' سرمایہ داروں اور مراعات یافتہ طبقوں کی اجارہ داری ختم ہوتی' عوام اور خواص قانون کی نظر میں ایک ہوں' ترقی کے مواقع سب کے لئے یکساں ہوں' وسائل کی تقسیم منصفانہ ہو' حکومتی عہدے عیش و آرام اور آسودہ زندگی کا ذریعہ نہ ہوں بلکہ ذمہ داری بن جائیں' چادر اور چاردیواری کے تحفظ کی حکومت ضامن ہو۔ بالفاظ دیگر عوام صحیح معنوں میں اسلامی نظام کے ثمرات سے فیض یاب ہو رہے ہوں تب تو ستائیس رمضان المبارک کی تعطیل انفرادی اور اجتماعی سطح پر مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ وگرنہ اس اعلان سے مولانا عبدالستار نیازی تو شاید بہل جائیں اور الٹی میٹم کی تاریخ ۳۱ مارچ سے آگے بڑھانے پر بخوشی رضامند ہو جائیں اور سینیٹر پروفیسر ساجد میر سنہرے جال میں پھڑپھڑا کر رہ جائیں لیکن جس کے ہاتھ میں کائنات کی بادشاہی ہے وہ چھٹیوں کی کمی بیشی سے راضی نہیں ہو گا۔ اس کی رضا کے لئے اس نظام کو عملی شکل دینی ہو گی جس کا خاکہ اس کی ابدی ہدایت دینے والی کتاب میں موجود ہے' جس نظام کو عملی طور پر نافذ کر کے دکھایا اس کے محبوب پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ان کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے۔ انسانی سینوں میں دفن رازوں سے باخبر اور اٹھنے والے وسوسوں کا علم رکھنے والی اس ذات مقدس سے ٹال مٹول نہیں کی جا سکتی۔ انفرادی اور اجتماعی سطح پر مکمل اور غیر مشروط بندگی ہمارے مسائل کا حل اور نجات کی واحد راہ ہے وگرنہ وہ اپنی کتاب مقدس میں فرماتا ہے۔ ﴿ ان بطش ربک لشدید ﴾ ۔ "بیشک تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے"۔

"اصل خسارہ کی طرف کسی کی توجہ نہیں"

تحریر : نجیب صدیقی' کراچی

پاکستان کا آئینی بحران دو ہفتہ جاری رہنے کے بعد اپنے منطقی انجام کو پہنچا۔ کہتے ہیں کہ ملک کو اس دوران اربوں روپے کا خسارہ ہوا' یہ خسارہ ہر سطح پر تھا۔ مالی خسارہ تو جو کچھ ہوا سو ہوا' اخلاقی خسارہ بھی دیدنی تھا۔ جہاں آئینی بحران عروج پر تھا وہاں اخلاقی بحران اس سے بھی زیادہ نمایاں تھا۔ قوم کو معلوم ہو گیا کہ اس نے جن نمائندوں کو پارلیمنٹ میں بھیجا ہے وہ اخلاقی اعتبار سے کس سطح پر ہیں۔ یہ نمائندے دودھ کو بلو کر مکھن کی طرح نکلے تھے' مگر معلوم ہوا کہ یہ مکھن تو سراسر ہریلا ہے۔

یہ بحران اس اعتبار سے بھی تاریخی ہے کہ یہ اونچی سطح پر تھا۔ اونچی سطح پر جو لوگ خواہ وکلاء ہوں' جج ہوں' دانشور ہوں الا ماشاء اللہ' اکثریت نے ثابت کر دیا کہ وہ اخلاقی قدروں کو پامال کرنے میں سب سے آگے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو قوم کے قائد ہیں' قوم کے رہبر ہیں اور قوم کو اگلی صدی میں نمایاں مقام دلوانا چاہتے ہیں۔ کوئی بھی شخص جو تھوڑی بہت عقل رکھتا ہے یہ باور کر سکتا ہے کہ لوگ جو اخلاق کی اس سطح پر ہیں قوم میں کیسا کردار پیدا کریں گے؟ یہ رہنما خود خواہشات کی تنگ و تاریک گلی میں بھٹکے ہوئے ہیں' قوم کی کیا رہنمائی کریں گے!۔ آئینی بحران نے اخلاقی بحران کو نمایاں کیا' اس سیلاب میں نچلی سطح پر جو کچھ گندگی تھی سب اوپر آ گئی اور قوم نے اپنے رہنماؤں کا حقیقی چہرہ دیکھ لیا۔

میرے نزدیک اس بحران کا اصل سبب مقصد سے انحراف ہے۔ جس قوم کا کوئی ہدف نہ ہو' کوئی اعلیٰ مقصد نہ ہو' سمت سفر متعین نہ ہو اس قوم کے افراد ذاتی منفعت میں لگ جاتے ہیں اور اس دوڑ میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں' ہوائے نفس کے اسیر ہو جاتے ہیں' ان کے سامنے اپنا اور اپنی اولاد کا مستقبل ہوتا ہے۔ یہ لوگ قوموں کے عروج و زوال کو بھی اپنے ذاتی پیمانوں سے ناپتے ہیں۔ دولت بٹورنے اور سمیٹنے کا ایک "فوبیا" ہو جاتا ہے پھر اسے محفوظ کرنے کے لئے غیر ملکی بینکوں کا سہارا لیا جاتا ہے۔

پاکستان میں جو لوگ آباد ہیں انہیں ایک قوم بنانے کے لئے صرف نظموں اور غزلوں کا سہارا لیا گیا۔ ایسی کوئی تدبیر نہیں کی گئی جس سے ہر شخص میں جذبہ پیدا ہو' جب کہ الٹا نعرہ اختیار کیا گیا' قومیتوں کو ابھارا گیا' ان میں رسہ کشی کے حالات پیدا کئے گئے' عدل و انصاف کو بالائے طاق رکھ کر کمزوروں کے حقوق غصب کئے گئے۔

پاکستان اسلام کے نفاذ کے لئے قائم کیا گیا تھا اس مقصد سے صریح انحراف کیا گیا بلکہ اسلام کو متنازعہ بنانے کی بھرپور کوشش کی گئی۔ یہی وہ مسالہ تھا جو تمام قومیتوں کو جوڑ سکتا تھا' انہیں ایک مقصد کے گرد جمع کر سکتا تھا' انہیں ایک اعلیٰ ہدف دے سکتا تھا' ان کے کردار کو سنوار سکتا تھا؟ عصبیتوں کی پرخار وادی کو پھولوں کے چمن سے بدل سکتا تھا۔ مگر اس قیادت کو کیا کہا جائے جس نے اپنے ذاتی مفاد پر اس اعلیٰ مقصد کو قربان کر دیا۔ انسان کے بنائے ہوئے آئین کی عظمت کے تحفظ کا اس قدر خیال تھا کہ اہل دانش دو صفوں میں تقسیم ہو گئے اور اس طرح مقابل ہیں جیسے پانی پت کے میدان میں دو فوجوں کا آمنا سامنا ہو رہا

لمحہ فکریہ

ہے۔ چونکہ یہ ایک ایسی جنگ تھی جس میں تلوار کا استعمال نہیں تھا' قانون کی باریکیوں کی جنگ تھی' لیکن یہ جنگ بھی بہت خوفناک تھی۔ ملک کی بقا کو داؤ پر لگا دیا گیا تھا۔ اب ذرا سوچئے کہ اس آئین کو بنانے والے یہی لوگ تھے جن پر اس کی پامالی کا الزام آ رہا تھا اور آئین کی عظمت کی دہائی دی جا رہی تھی۔ یہ بات بھی سننے میں آ رہی تھی کہ آئین سے غداری کی سزا موت ہے۔ قوم کے ان دانشوروں کو یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ ایک آئین ہمارے رب کی طرف سے دیا گیا ہے جس کی تشریح اس کے آخری نبیؐ نے کی ہے وہ آئین ہماری زندگی کے ہر گوشے میں رہنمائی کرتا ہے۔ اس آئین میں وہ سب کچھ درج ہے جو ایک انسان کی ضرورت ہے۔ اس آئین کا خالق وہی ہے جس نے ہماری تخلیق کی ہے۔ وہ آئین زندوں کا آئین ہے۔ اس کے آنے کا مقصد اس کے نفاذ میں پوشیدہ ہے۔ اس پر ایمان لانے والوں سے اس کے نفاذ کا مطالبہ کیا گیا ہے کہ "ان اقیموا الدین"۔ یہ بات بھی بتا دی گئی ہے کہ تمہاری یہ حیات مادر پدر آزاد نہیں' تمہیں اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا ہے۔ آئین نے جو حدیں مقرر کی ہیں ان کا خیال رکھنا ہے۔ اگر تم نے ان حدوں کو پامال کیا تو تم بچ کر نہیں جا سکتے' اس کی سزا انتہائی سخت ہو گی۔ اس کے لئے تمہارے کندھوں پر دو فرشتے مامور کئے گئے ہیں جو تمہاری حرکات و سکنات سے واقف ہیں۔ تمہارے کاموں کو وہ ٹیپ کر رہے ہیں' تم بھاگ کر کہاں جاؤ گے وہ ہر وقت تمہارے ساتھ ہیں۔

دنیا کی زندگی تمہیں من مانی کرنے کے لئے عطا نہیں کی گئی ہے۔ وہ آئین جس کی طرف سے تم نے منہ موڑ لیا ہے ایک دن آئے گا جب الٰہی گرفت میں آؤ گے۔ تم سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اس آئین کو اپنے آپ پر اور اپنے ملک میں کیوں نہیں نافذ کیا۔ تم نے اس سے غداری کیوں کی۔ تم نے اپنے بنائے ہوئے آئین کے تقدس کا گن گاتے رہے مگر ہمارے آئین کو نہ عملی زندگی میں کوئی جگہ دی نہ پارلیمنٹ میں۔ وہ لوگ جن کے ہاتھ میں پچاس برس سے اس ملک کی باگ ڈور ہے ان پر اس آئین کے نافذ کرنے کی ذمہ داری تھی۔ اس سے روگردانی کی بڑی عبرت ناک سزا ہو گی جس کا آج کوئی تصور نہیں کر سکتا۔ پھر وہ لوگ بھی ذمہ دار ہیں جو اپنے لوح و قلم سے دنیا بھر کے مضامین اور تجزیئے لکھتے رہے مگر اس طرف حکمرانوں کو متوجہ نہیں کیا۔

تیسرے درجہ پر عوام الناس ہیں' جنہیں چاہئے تھا کہ وہ ایسے لوگوں کا انتخاب کریں جو اس کا درد رکھتے ہوں۔ مہنگائی کے خلاف صف آراء ہونے والے' ریلی نکالنے والوں سے پوچھا جائے گا کہ تم نے ہمارے آئین کے نفاذ کے لئے کتنے جلسے و جلوس کئے' اپنی صلاحیتوں کو کتنا خرچ کیا۔ اگر تم اس کے نفاذ کے لئے صف آراء ہو جاتے تو مجال تھی کہ تمہارے نمائندے تمہاری بات نہ مانتے تم بھی انہیں کی طرح مسئول ہو۔

ایک دن آئے گا جب میزان عدل نصب کی جائے گی اور لوگ انصاف ہوتا ہوا دیکھیں گے۔ وہ ٹیپ جسے فرشتے مرتب کر رہے تھے چلایا جائے گا اور انسان پکار اٹھے گا کہ ہائے میری بربادی میں نے غلط کام کیوں کئے۔ میں حق کے لئے کیوں نہ اٹھ کھڑا ہوا' اس آئین کے نفاذ کے لئے ہمارے اندر داعیہ کیوں نہ پیدا ہوا۔ ہم نے اس سے غفلت کیوں برتی۔ وہ پکار کر کہے گا کہ اے میرے رب مجھے پھر دنیا میں بھیج دے تاکہ میں آپ کی مرضی کے مطابق زندگی گزاروں گا۔ جواب دیا جائے گا کہ مہلت عمر ختم ہو چکی' اب تو تمہیں سزا بھگتنا ہو گی۔

اب بھی موقع ہے کہ اللہ کے آئین کے نفاذ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں' مہلت عمر تیزی سے ختم ہو رہی ہے جو لوگ اس حقیقت پر اپنی آنکھیں کھولیں گے اور عمل پر کمربستہ ہو جائیں گے وہی آخرت میں سرخرو ہوں گے۔ ایسا نہ کرنے والے آخرت میں اندھے اٹھائے جائیں گے وہ فریاد کریں گے کہ میں تو آنکھوں والا تھا۔ کہا جائے گا کہ تم نے ہمارے احکامات کی طرف سے آنکھیں بند کر لی تھیں' آج تمہاری آنکھیں بند ہیں۔ آنکھیں کھولو! حق کے علمبردار بن جاؤ اور دنیا کی زندگی میں آخرت کے لئے کھیتی کرو تاکہ وہاں شرمندگی نہ ہو۔ ○○

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے چھ روزہ دورۂ بنگلہ دیش کی روداد (۲)

(۱۸ تا ۲۳ دسمبر ۱۹۹۷ء)

رپورتاژ : ڈاکٹر عبدالخالق

مسجد بیت المکرم ڈھاکہ کے خطیب مولانا عبدالحق جلال آبادی کے حجرے میں مختصر ملاقات کے اختتام پر مولانا نے امیر محترم سے خواہش ظاہر کی کہ آپ سامعین (جن کی تعداد ۳۰، ۳۵ کے قریب تھی) کو کوئی حدیث سنائیے۔ امیر محترم نے دو احادیث "خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ" اور "ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواما ویضع بہ آخرین" بیان فرمائیں اور ساتھ ہی اردو زبان میں ان کا ترجمہ بھی بیان کر دیا۔ مولانا نے امیر محترم کی تشریف آوری پر ان کا شکریہ ادا کیا اور ہوٹل تشریف لا کر ملاقات کا ارادہ بھی ظاہر کیا۔ ہمیں رخصت کرتے ہوئے حاضرین کی امیر محترم سے محبت اور عقیدت دیدنی تھی، جس کو الفاظ کا جامہ پہنانا ممکن نہیں۔ پہلے سے جان پہچان نہ ہونے کے باوجود اس قدر والہانہ محبت اور عقیدت اسلام کے اس پاکیزہ رشتے کی بدولت تھی جو بعض اوقات خونی رشتوں سے بھی بڑھ کر مضبوط ہو جاتا ہے، تاریخ اسلام ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

دوپہر کے کھانے کا انتظام "الاعین فاونڈیشن" کی جانب سے ایک ہوٹل میں کیا گیا تھا۔ برادرم عبدالواحد اس فاؤنڈیشن کے سیکرٹری و پراجیکٹ ڈائریکٹر ہیں جبکہ اس کے چیئرمین جناب مجیب الرحمن ہیں۔

جناب مجیب الرحمن سپریم کورٹ کے سینئر ایڈووکیٹ ہیں، موصوف مشرقی پاکستان کی آخری حکومت کے اٹارنی جنرل رہ چکے ہیں۔ امیر محترم نے سقوط مشرقی پاکستان کے اسباب سے متعلق اپنا نقطہ نظر بیان کیا (امیر محترم کے نقطہ نظر کو ندائے خلافت دسمبر ۹۶ء کے شمارے میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے) موصوف نے امیر محترم کے خیالات سے اتفاق کیا۔ جماعت اسلامی کے سیاسی نقطہ نظر کے بارے میں بھی گفتگو ہوئی۔ مجیب الرحمن صاحب مولانا مودودی مرحوم سے بھی مل چکے ہیں۔ موصوف ان کی علمی حیثیت، اسلام کے حوالے سے ان کی دینی خدمات کے معترف ہیں لیکن ان کے سیاسی نقطہ نظر اور سیاسی کردار کو بے بصیرتی سے تعبیر کرتے ہیں۔ جماعت اسلامی بنگلہ دیش کے سیاسی رول سے تو یہاں کے اکثر لوگوں نالاں ہیں اور بھارت نواز عوامی لیگ کے حالیہ اقتدار کو جماعت اسلامی کی غلط حکمت عملی کا شاخسانہ قرار دیتے ہیں۔ جناب مجیب الرحمن سے دیگر امور پر بھی کھل کر گفتگو ہوئی۔

دوپہر کے کھانے کے وقت ہوٹل میں شادی کی ایک تقریب بھی ہو رہی تھی، یوں بنگلہ دیشی شادی کی تقریب کو بھی قریب سے دیکھنے کا موقع مل گیا۔ متوسط طبقے کی شادی کی یہ تقریب پاکستان کی کسی تقریب سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی۔ مولوی صاحب بغل میں رجسٹر دبائے موجود تھے۔ مردوں اور عورتوں کی مخلوط محفل کے باوجود کھانے کا علیحدہ انتظام تھا۔ عورتوں کے "تبرج جاہلیہ" کے حوالے سے بھی پاکستان اور بنگلہ دیش میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہے۔ اگرچہ وہاں کی عورت کا عمومی لباس ساڑھی ہے، تاہم اب شہروں میں شلوار قمیص کا رواج عام ہے اور ۶۰ فیصد سے زائد عورتیں شلوار قمیص ہی میں ملبوس نظر آتی ہیں۔ ہمیں بتایا گیا کہ شلوار قمیص کا استعمال فیشن کے طور پر بڑھ رہا ہے۔ بہرحال یہ ایک اچھا فیشن ہے کہ کم از کم ساڑھی سے زیادہ ساتر ہے۔ برقعے (چہرہ ڈھانپنے) کا استعمال پاکستان ہی طرح بہت کم ہے۔ غالباً دینی اور مذہبی تحریکوں سے متعلق کچھ افراد کے گھروں میں اس کا اہتمام باقی رہ گیا ہے۔

شادی بیاہ کے موقع پر کام و دہن کی ضرورت بھی بیچارہ مرغ ہی پوری کرتا ہے۔ ابلے ہوئے چاولوں کے ساتھ عموماً مرغ کا قورمہ یا روسٹ مرغ سے مہمانوں کی تواضع کی جاتی ہے۔ البتہ کھانے سے قبل ایک خاص مشروب شادی بیاہ کے کھانوں کا لازمی جزو ہوتا ہے جسے "برھانی" کے نام پکارا جاتا ہے۔ یہ دہی کی لسی ہوتی ہے جس میں سبز دھنیہ، پودینہ اور پیاز کا رس ایک خاص مقدار میں شامل کیا جاتا ہے۔ ہمارے تجسس پر میزبان نے بطور خاص ہمارے لئے یہ مشروب مہیا کیا۔ خاصا خوشگوار ذائقہ تھا، البتہ کھٹاس کچھ زیادہ تھی۔ کھانے پر P.I.A. کے سٹیشن مینیجر جناب سید محمد نسیم بھی موجود تھے، جو حال ہی میں کراچی سے ٹرانسفر ہو کر یہاں آئے ہیں موصوف امیر محترم سے ملاقات کے بہت زیادہ خواہش مند تھے۔

رات کا کھانا ایک گھر پر تھا، میزبان ڈاکٹر اے۔ کے عبداللہ تھے۔ موصوف ایک یونیورسٹی میں اسلامیات کے پروفیسر ہیں اور اسی مضمون میں پی۔ ایچ۔ ڈی ہیں۔ یہیں جناب پروفیسر محمد عبداللہ سے ملاقات ہوئی موصوف ڈھاکہ یونیورسٹی میں صدر شعبہ اردو کے عہدے سے ریٹائرڈ ہیں۔ امیر محترم نے اسلام کے مستقبل کے حوالے سے گفتگو کا آغاز کیا۔ پروفیسر عبداللہ صاحب نے تو کہہ دیا کہ غلبہ اسلام کا جو ذکر کیا جاتا ہے وہ تو ہو چکا، اس سے ان کی مراد حضورؐ اور خلفائے راشدین کا زمانہ تھا۔ امیر محترم نے حضرت نعمان ابن بشیرؓ سے مروی حدیث کو بیان کرتے ہوئے اسلام کے مستقبل کے بارے میں اپنے خیالات سے آگاہ کیا۔ نیز فرائض دینی کے جامع تصور پر بھی مختصراً اپنا نقطہ نظر ان کے سامنے رکھا اور اسی پس منظر میں تنظیم اسلامی کی مکمل دعوت ان کے سامنے پیش کر دی۔ بنگلہ دیش میں بطخ اور کبوتر کا گوشت بھی بڑی رغبت سے کھایا جاتا ہے چنانچہ مختلف بازاروں میں آپ کو زندہ بطخیں اٹھائے بیچنے والے مل جائیں گے۔ آج کے کھانے میں یہ دونوں چیزیں موجود تھیں تاہم مچھلی کے مقابلے میں ان ڈشوں میں ہم نے زیادہ رغبت محسوس نہیں کی۔ مصروفیت کے اعتبار سے آج کا دن خاصہ بھرپور گزرا۔ مختلف مقامات پر سیڑھیاں اترنے اور چڑھنے کے عمل نے امیر محترم کو کچھ زیادہ ہی تھکا دیا تھا۔

ناشتہ ہوٹل ہی میں کیا۔ ۸ بجے کے قریب امام الدین محمد ط تشریف لے آئے۔ موصوف کے قلم کے دھنی ہونے کا علم تو پہلے ہی سے تھا اب معلوم ہوا کہ موصوف قادر الکلام بھی ہیں مگر بے عمل مسلمان کو کافر سمجھتے ہیں، اس لحاظ سے خوارج کے نقطہ نظر سے زیادہ قریب ہیں۔ آج امیر محترم نے ان کے نظریات پر گرفت فرماتے ہوئے سورۃ الحجرات کے حوالے سے ایمان اور اسلام کا فرق واضح کیا نیز اس ضمن میں امام ابو حنیفہؒ کے موقف کو پر زور انداز میں بیان کیا کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے ہم کسی بھی شخص کے قول پر اس کے اسلام کا اقرار کریں گے (جب وہ اللہ کی توحید اور محمدؐ کی رسالت کی گواہی دے دے گا) اور اس سے اسلامی شریعت کے حوالے سے معاملہ کیا جائے گا۔ جبکہ ایمان کا تعلق باطن کے ساتھ ہے جس کو ہم اس دنیا میں رہتے ہوئے نہیں جانچ سکتے اس کا حال صرف ذات

باری تعالیٰ ہی جانتی ہے اور آخرت میں ایمان کی بنیاد پر معاملہ ہوگا' اسلام کی بنیاد پر نہیں۔ امیر محترم کے پرزور استدلال پر ایک مرتبہ تو امام الدین ظہ کو بات مانتے ہی بنی لیکن پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہ اپنے سابقہ موقف پر لوٹ آئے تو امیر محترم نے زیادہ تعرض کرنا مناسب خیال نہ کیا۔

۱۰/ بجے کے قریب ہم بہاری محصورین کا کیمپ دیکھنے کے لئے روانہ ہوئے۔ سید حسن شریف اور ظفیر احمد صاحبان (جن کا ذکر قبل ازیں آچکا ہے) نے پاکستان میں امیر محترم سے درخواست کی تھی۔ ایک مرتبہ آپ خود اپنی آنکھوں سے ان کی حالت زار کو ضرور ملاحظہ کریں۔ ارادہ تھا کہ ان محصورین کی پاکستان واپسی کی جدوجہد اور کوشش کے لئے جو کمیٹی تشکیل دی گئی ہے اس کے صدر جناب محمد نسیم خان کے ہمراہ کسی بہاری کیمپ کو دیکھنے جائیں گے۔ جس ہوٹل میں ہمارا قیام تھا' موصوف اس کے قریب ہی ایشیا ہوٹل میں مستقل قیام پذیر ہیں' وہیں انہوں نے اپنا دفتر بھی قائم کر رکھا ہے۔ لیکن ڈھاکہ سے ان کی غیر حاضری کے باعث ملاقات نہ ہو سکی تو ہم برادرم حفیظ الرحمٰن کے ہمراہ ڈھاکہ شہر سے قریب ایک کیمپ کو دیکھنے کے لئے روانہ ہوئے۔ محمد پورہ کی بستی میں قائم یہ کیمپ "جنیوا کیمپ" کہلاتا ہے اور محصورین کے دیگر کیمپوں کے مقابلے میں نسبتاً بہتر سہولیات کے باعث اسے "کیمپوں کا پیرس" بھی کہتے ہیں۔ پورے بنگلہ دیش میں تو محصورین کے بہت سے کیمپ موجود ہیں جن میں اس وقت قریباً ڈھائی لاکھ کے قریب بہاری موجود ہیں' ان میں سے ۶' ۷ کیمپ ڈھاکہ کے نواح میں قائم ہیں۔

اس کیمپ میں داخل ہوتے ہی یوں لگا کہ ہم کسی اور ہی دنیا میں آگئے ہیں۔ انتہائی تنگ گلیاں' صرف ایک گلی جسے "مین بازار" کہا جاسکتا ہے' میں ہم کچھ دور تک کار پر جا سکے۔ اس کے بعد امیر محترم ویل چیئر پر بیٹھے اور ہم کیمپ کا اندرونی حصہ دیکھنے اندر داخل ہو گئے۔ چھوٹے بچوں کی فوج ظفر موج' انسانوں کا ہجوم' چھوٹے چھوٹے کمروں پر مشتمل ایک ایک دو دو کمروں کے مکان جن میں ڈرینج کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ ہمیں بتایا گیا کہ ۶ تا ۸/ افراد پر مشتمل خاندان ۸X۸ فٹ کے ایک کمرے میں گزر بسر کرنے پر مجبور ہیں اور کمرے میں مچان نما بستر لگا کر سوتے ہیں۔ کیمپ کی واحد مسجد کے صحن میں گندا پانی جمع تھا جسے کچھ لوگ رضاکارانہ بنیادوں پر نکال رہے تھے۔ تنگ گلیوں میں ایک طرف عورت چھوٹے بچے کو گود میں لئے چاول صاف کرتی نظر آئی' پاس ہی ایک عورت اپنے چھوٹے بچے سے گندگی کو صاف کر رہی تھی۔ کچھ گلیاں تو ایسی تھیں جن سے ایک وقت میں صرف ایک آدمی ہی گزر سکتا تھا جبکہ ویل چیئر کا اس میں داخل ہونا ناممکن تھا۔ کچھ گلیاں بالکل کچی تھیں جن میں گندا پانی کھڑا تھا۔ اینٹوں کی سولنگ والی اونچی نیچی گلیوں میں ویل چیئر دھکیلتے چند ہی منٹوں میں میرے بازو شل ہو چکے تھے۔ ہمیں وہاں ایک نسبتاً صاف ستھرے کمرے میں بٹھایا گیا معلوم ہوا کہ یہ SPGRC

(Stranded Pakistanis General Repatriation Committee)

کا دفتر ہے۔ اس کمیٹی کے صدر الحاج محمد نسیم خان ہیں' جو ان مجبور و مقہور مسلمانوں کی پاکستان منتقلی اور بنگلہ دیش میں موجودگی کے دوران بنیادی انسانی سہولتوں کی فراہمی میں دن رات ایک کئے ہوئے ہیں۔ کمیٹی کے سیکرٹری جنرل شوکت حسین صاحب اور آفس سیکرٹری عبدالجبار صاحب نے محصورین کی حالت زار سے ہمیں آگاہ کیا۔ سچی بات ہے کہ ان حضرات کی باتیں زیادہ دیر تک سننا ہی بڑے دل گردے کا کام ہے کجا یہ کہ کسی ایسی جگہ پر زیادہ دیر تک قیام کرنا۔ ان محصورین کو ایسے کیمپوں میں قیام کرتے اب ۲۶ برس بیت چکے ہیں۔ اب تو ایک نئی نسل ان کیمپوں میں پیدا ہو کر جوان ہو چکی ہے۔ بہت سے لوگ وہ بھی ابھی بقید حیات ہیں جو مشرقی پاکستان کے آخری دنوں میں ابھی بالکل بچے تھے۔ ان کا قیام آسودہ حال بستیوں میں تھا' والدین ان کی ہر جائز و ناجائز خواہش کو پورا کرنے کی استطاعت رکھتے تھے جبکہ اس وقت یہ لوگ بنیادی انسانی ضروریات تک سے بھی محروم ہیں۔ بہت سے بچے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کر رہے تھے اور ان کے والدین نے اپنے بچوں کے مستقبل کے کیا کیا منصوبے نہ باندھے ہوں گے کہ اچانک ان پر یہ افتاد آپڑی۔ ان کا قصور یہ تھا کہ وہ پاکستان اور نظریہ پاکستان سے محبت کرتے تھے' انہوں نے بغاوت کے فرو کرنے میں پاکستانی افواج کی مدد کی تھی' وہ مشرقی اور مغربی پاکستان کو متحد دیکھنا چاہتے تھے۔ یہی وہ "ناقابل معافی" جرائم تھے جن کی پاداش میں ہزاروں پاکستانی شہید کر دیئے گئے' سینکڑوں عورتوں کی عصمت دری کی گئی اور ہزاروں خاندانوں کو ان کے مکانوں سے بے دخل کر دیا گیا۔ آج انہی لوگوں کی اولاد کی بنیادی تعلیم کے لئے کوئی سہولت موجود نہیں ہے۔ دو وقت کی روٹی کے حصول کے لئے اکثر لوگ محنت مزدوری کرتے ہیں' سائیکل رکشہ چلاتے ہیں۔ کیمپ کے ارد گرد بہت سی چھوٹی ورکشاپس کھلی ہیں۔ کچھ لوگوں نے بنیادی ضروریات کی دوکانیں کھول رکھی ہیں اور یوں اپنے بچوں کے لئے دو وقت کی روٹی کی تگ و دو میں مصروف ہیں' لیکن ان کے ساتھ یہ معاملہ کیوں ہوا؟ ان کا نہیں تو کیا ان کے آباؤ اجداد کا بھی کوئی قصور تھا کہ نہیں؟ یقیناً تھا! جن لوگوں نے پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کے نعرے لگائے' پاکستان کے حصول کو اللہ کے دین کے نفاذ کی سرزمین قرار دینے کا عہد کیا۔ لیکن پاکستان بننے کے بعد جب حکمرانوں کی جانب سے نفاذ اسلام کی کوئی موثر پیش رفت سامنے نہ آئی تو یہی لوگ جنہوں نے "ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین" کا عہد کیا تھا۔ دنیا کے حصول میں اس قدر محو ہوئے کہ سب کچھ بھول گئے اور جب دنیا میں خوشحالی کا دور دورہ ہوا تو اجتماعی زندگی میں دین کا نفاذ تو کیا ہوتا انفرادی زندگیوں میں بھی دین کا عمل دخل کم ہوتا چلا گیا۔ سابقہ مشرقی پاکستان کے ہمارے یہ بہن بھائی ہمارے لئے بھی عبرت کا سامان لئے ہوئے ہیں۔ قدرت کا عدل بے لاگ ہوتا ہے اس کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ اگر ہم نے اب بھی اپنے شب روز نہ بدلے اور اللہ سے کئے ہوئے وعدوں کا پاس نہ کیا تو حاکم بدین مشرقی پاکستان جیسے حالات یہاں بھی آسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس روز بد سے پہلے ہی ہمیں اصلاح احوال کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

بات اگرچہ کچھ لمبی ہو گئی ہے لیکن تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت کا تو مشن ہی یہ ہے کہ ہم امت مسلمہ کو عموماً اور ابنائے وطن کو خصوصاً بحیثیت مسلمان ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کرتے رہیں۔ یہ ہمارے بیرونی اسفار بھی اسی لئے ہیں اور ہماری تحریریں بھی اسی مقصد کی یاد دہانی کرواتی رہیں گی ان شاء اللہ۔ تاہم صورت حال یہ ہے کہ

اک طرز تغافل ہے سو وہ ان کو مبارک
اک عرض تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے

نہایت بوجھل اور بجھے ہوئے دلوں کے ساتھ محصورین کے اس کیمپ سے واپسی ہوئی۔

دوپہر کے کھانے کا اہتمام پریس کلب میں غیاث کمال چوہدری صاحب کی جانب سے تھا۔ یہ سب برادرم عبدالواحد صاحب کی کاوشوں کا مظہر تھا۔ غیاث کمال چوہدری سینئر صحافی ہیں۔ تین سال تک پریس کلب کے صدر رہ چکے ہیں۔ اب BSS سے متعلق ہیں۔ سقوط مشرقی پاکستان کے واقعات نیز سرکردہ سیاسی شخصیات کی سرگرمیوں کے چشم دید گواہ ہیں' ان سے مختلف موضوعات پر گفتگو ہوئی۔ امیر محترم نے قیام بنگلہ دیش سے متعلق اپنے نقطہ نظر پر روشنی ڈالی۔ تحریک پاکستان کی جذباتی فضا میں ہمارے سیاسی اکابرین نے چند جغرافیائی اور ثقافتی حقیقتوں کو نظر انداز کر دیا۔ نیز قیام پاکستان کے بعد قومی زبان کے مسئلے کا مناسب حل سامنے آنے کے باوجود اختیار نہ کرنا اور اسلام کو بطور اجتماعی نظام اختیار کرنے سے مسلسل اعراض اور جلتی پر تیل کا کام مارشل لاء کے نفاذ نے کیا۔ لہٰذا وہ لوگ جنہیں اللہ نے بصیرت باطنی سے نوازا ہے اور جو آنے والے واقعات کا پہلے سے ادارک کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں' نے قوم کو پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ

اگر مسائل کو باہم گفت و شنید سے حل نہ کیا جائے اور کسی سیاسی حل کی جانب پیش قدمی نہ کی گئی تو محض طاقت کے بل بوتے اور ظلم و تشدد سے لوگوں کے اندر پیدا شدہ احساس محرومی کو دبایا نہیں جا سکے گا۔ بہرحال جو ہونا تھا ہو کر رہا۔ بنگلہ دیش میں لوگوں کی اکثریت مغربی پاکستان کے تسلط سے آزادی کی خواہاں تو تھی لیکن وہ عوامی لیگ کی بھارت نواز پالیسی اور بھارتی فوج کی مدد سے کسی آزادی کو پسند نہیں کرتے تھے' نیز ملکی باہنی کے جوابی تشدد اور دہشت گرد کارروائیوں سے بھی ناخوش تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بنگلہ بندھو شیخ مجیب الرحمن کو ایک کرنل اور اس کے ہمنوا ٹولے نے قتل کر دیا تو اس خبر کے سنتے ہی بنگلہ دیش کے عوام خوشی کے مارے سڑکوں پر نکل آئے اور انہوں نے عوامی لیگ اور بھارت کے خلاف نعرے لگائے لیکن شومئی قسمت اب پھر عوامی لیگ برسراقتدار ہے جس سے محب وطن عناصر تشویش کا شکار ہیں اور یقول ان کے "را" کے ایجنٹ حکومتی پالیسیوں پر پوری طرح اثر انداز ہو رہے ہیں جس کا تازہ ترین مظہر چٹاگانگ ہل کنٹریکٹ ہے جو چکمہ قبائل کے ساتھ حکومت نے کیا ہے جس کو خالدہ ضیاء کی BNP اور تمام اپوزیشن جماعتوں نے آئین کے خلاف قرار دیا ہے۔ اس معاہدے کی رو سے گویا چکمہ قبائل کو کسی حد تک خود مختاری دے دی گئی ہے اور یہ چکمہ قبائل پوری طرح بھارت کے کنٹرول میں ہیں۔

اس معاہدے کے خلاف آج کل وہاں اپوزیشن پارٹیاں اور محب وطن عناصر ایجی ٹیشن کرنے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ محب وطن صحافتی حلقوں میں بھی عوامی لیگ کے حالیہ اقتدار پر تشویش کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ بہرحال غیاث کمال چوہدری صاحب کی باتیں بڑی دلچسپ تھیں اور ان سے بہت سی معلومات حاصل ہوئیں۔ اسی دوران پریس کلب کے صدر فیاض الدین بھی تشریف لے آئے ان سے بھی ان کے دفتر میں ملاقات ہوئی۔

امیر محترم کی خواہش تھی بنگلہ میں جماعت اسلامی کے زعماء سے ملاقات ہو لیکن باوجود کوشش کے رابطہ نہیں ہو رہا تھا بہرحال بعد نماز عصر جماعت اسلامی کے مرکزی دفتر کی جانب روانہ ہوئے۔ ہمارے میزبان برادرم عبدالواحد نے مناسب خیال کیا کہ ہم براہ راست جماعت اسلامی کے دفتر جانے کے بجائے اس کے تحت نکلنے والے روزنامہ اخبار سنگرام کے دفتر چلتے ہیں جو جماعت اسلامی کے مرکزی دفتر کے قریب ہی واقع ہے پھر وہاں سے رابطہ کی کوئی شکل پیدا کر لی جائے گی۔ ایک مرتبہ پھر سیڑھیاں چڑھنے کا مرحلہ درپیش تھا۔ مجبوراً امیر محترم نے ہمت کی تو ہمیں روزانہ اخبار "سنگرام" کے چیف ایڈیٹر ابوالاسد صاحب کے کمرے میں لے جایا گیا۔ کمرہ انتہائی سادہ تھا اور کسی طور بھی چیف ایڈیٹر کا کمرہ معلوم نہیں ہوتا تھا۔ ہمارے ہاں پاکستان میں تو ہر سطح پر نمود و نمائش اور کروفر کا اظہار کیا جاتا ہے جبکہ بنگلہ دیش میں نسبتاً سادگی کا عنصر غالب ہے۔ چیف ایڈیٹر کے ہمراہ سینئر اسسٹنٹ ایڈیٹر جناب ذوالفقار احمد قسمتی بھی موجود تھے۔ چیف ایڈیٹر جماعت اسلامی بنگلہ دیش کے باقاعدہ رکن ہیں اور سینئر اسسٹنٹ ایڈیٹر متوقع رکن ہیں۔ نماز مغرب میں تھوڑا سا وقت باقی تھا۔ فون کے ذریعے جماعت اسلامی کے دفتر رابطہ کرنے پر معلوم ہوا کہ اکابرین جماعت ایک اہم میٹنگ میں مشغول ہیں جو عشاء کے بعد تک چلے گی۔ لہٰذا ملاقات کی امیدیں دم توڑتی محسوس ہوئیں۔ جناب ذوالفقار احمد قسمتی صاحب نے مشورہ دیا کہ ہم مغرب کی نماز دفتر جماعت کی نزدیکی مسجد میں ادا کرتے ہیں' وہاں امید ہے کہ اکابرین سے ملاقات ہو جائے۔ مشورہ صائب تھا' جو تھوڑا سا مزید وقت اخبار کے دفتر میں گزارنے کا موقع ملا اس میں بنگلہ دیش کے حالات اور مشرقی پاکستان کے آخری دور کے واقعات پر گفتگو ہوئی۔ امیر محترم نے ندائے خلافت کے خصوصی پرچے بدیتاً پیش کیے۔

حسب توقع نماز مغرب پر سیکرٹری جنرل جماعت اسلامی بنگلہ دیش جناب مطیع الرحمن نظامی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے بڑی خندہ پیشانی سے دفتر میں آنے کی دعوت دی۔ معلوم ہوا کہ ۲ روز بعد سے ہی جماعت اسلامی بنگلہ دیش کا سالانہ اجتماع شروع ہونے والا ہے جو پانچ سال بعد منعقد ہو رہا ہے' اسی کے انتظامات کے سلسلے میں ایک اہم میٹنگ چل رہی تھی۔ جناب نظامی نے فرمایا کہ ہمیں معلوم تو ہوا تھا کہ کوئی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب پاکستان سے آئے ہوئے ہیں اور ملاقات کے خواہش مند ہیں لیکن یہ یقین نہیں تھا کہ وہ آپ ہیں۔ امیر محترم کی بنگلہ دیش آمد ان کے لیے خوشگوار حیرت کا باعث تھی۔ باوجود شدید مصروفیت کے وہ ۴۵ منٹ تک ہمارے ساتھ رہے۔ جماعت اسلامی کا مرکزی دفتر بھی انتہائی سادہ تھا۔ درمیانی سائز کے کمرے' سادہ سا فرنیچر' عام لوگوں کے بیٹھنے والے کمرے میں تو لکڑی کے بنچ رکھے تھے۔ اس سادگی ہی میں عظمت کا احساس ہوا۔ سیکرٹری جنرل انتہائی محبت سے پیش آئے۔ پہلے ایک ایک سنگترے اور چاولوں کے چپس سے تمام مہمانوں کی تواضع کی گئی اور بعد ازاں چائے کا کپ۔ اس سادہ اور پرخلوص "نزل" نے جو لطف دیا وہ پرتکلف دعوتوں اور انواع و اقسام کی چیزوں میں کہاں ملتا ہے۔ امیر جماعت اسلامی جناب پروفیسر غلام اعظم ڈھاکہ میں موجود تھے' ان سے اسی وقت ٹیلی فون پر رابطہ کیا گیا۔ امیر محترم سے گفتگو کے دوران انہوں نے کل رات کے کھانے کی دعوت دی' جو بخوشی قبول کر لی گئی۔ جماعت اسلامی کے دفتر میں دیگر کارکنان کے علاوہ جماعت کے سیکرٹری انفارمیشن، فارن افیئرز جناب عبدالناصر ابوسعید سے بھی ملاقات ہوئی۔ قبل ازیں امیر محترم اس خدشے کا اظہار کر چکے تھے' معلوم نہیں جماعت کے لوگ مجھ سے ملنا پسند بھی کرتے ہیں یا نہیں۔ لیکن اس ملاقات نے نہ صرف اس خدشے کا ازالہ کر دیا بلکہ جس خوشگوار ماحول میں یہ ملاقات ہوئی اور جس محبت' خلوص اور گرمجوشی کا اظہار کیا گیا اس کا خوشگوار تاثر ہمیشہ یاد رہے گا۔ جناب نظامی صاحب امیر محترم کو گاڑی تک چھوڑنے آئے' ہم نے ان کا شکریہ ادا کیا اور اگلی منزل کی جانب روانہ ہو گئے۔

اگلا پروگرام ہفت روزہ "بکرم" کے دفتر میں پیرہ دانشور حضرات سے ملاقات تھی جس کا اہتمام برادرم عبدالواحد کی کاوشوں کا مرہون منت تھا۔ ہمارے دورۂ بنگلہ دیش کے مختلف پروگراموں میں سے اس پروگرام کو سب سے زیادہ مفید اور کارآمد قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس سے ہمیں بنگلہ دیش کی "ذہین اقلیت" کے ذہن کو پڑھنے اور اپنے نقطہ نظر کو ان تک پہنچانے کا بہترین موقع میسر آیا۔ سب سے پہلے تعارف کا سلسلہ چلا۔ امیر محترم نے اپنا ماضی سب حضرات کے سامنے رکھا۔ نوجوانی کے دور میں تحریک پاکستان کے دوران مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے متحرک ورکر سے لے کر اسلامی جمعیت طلبہ کے اعلیٰ ترین عہدے (ناظم اعلیٰ) تک اور پھر جماعت اسلامی کی رکنیت اور اس سے علیحدگی کا تذکرہ کیا۔ سیاسی زعماء کی قیام پاکستان کے مقاصد سے روگردانی اور سقوط مشرقی پاکستان سے قبل کے حالات اور رجوحات کے بارے میں اپنے نقطہ نظر سے آگاہ کیا۔ اس فورم میں تمام تر گفتگو انگریزی زبان میں ہوئی (اردو کے استعمال میں اکثر حضرات دقت بھی محسوس کرتے ہیں اور اسے ناپسند بھی کرتے ہیں) امیر محترم کے تعارف کے بعد اس مجلس کے صدر جناب علی احسن نے اپنا تعارف کروایا' موصوف کی عمر ۷۰ برس کے قریب ہے' حاضرین مجلس نے انہی قومی پروفیسر قرار دیا۔ جناب علی احسن بنگلہ زبان اور فائن آرٹس کے پروفیسر رہ چکے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ "پاکستان نے نفاذ اسلام میں کوتاہی کر کے معاہدے کی خلاف ورزی کی' مغربی پاکستان کے مسلمانوں نے ہمارے ساتھ مسلمانوں کا سا طرز عمل اختیار نہیں کیا۔ اب بھی پاکستان میں کوئی ایک ثقافت نہیں ہے اور اگر ہم نے قرآن کی طرف رجوع نہ کیا تو مزید نقصان کا اندیشہ ہے"۔ جناب پروفیسر صاحب نے درست فرمایا کہ مسلمان جہاں کہیں بھی ہو اسے قرآن اور سنت کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

اس سنجیدہ اور علمی محفل کے دیگر شرکاء کا تعارف یقیناً اس محفل کی نوعیت اور اہمیت کو سمجھنے میں مفید رہے گا۔

شاہ عبدالحکیم : ایم اے پولیٹیکل سائنس' سابقہ تعلق جماعت اسلامی۔

محمد عبدالحق بنا : سابقہ تعلق اسلامی جمعیت طلبہ۔

احمد عبدالقادر : یہ سکول ٹیچر ہیں اور "بنگلہ دیش خلافت مجلس" کے سیکرٹری جنرل ہیں۔ ۱۹۸۰ء تک اسلامی جمعیت طلبہ میں رہے' پھر ۱۹۸۹ء میں مجلس خلافت کے قیام کے بعد سے اس سے متعلق ہیں۔

ان کے تعارف سے معلوم ہوا کہ بنگلہ دیش میں بھی خلافت کے نام سے کوئی تحریک کام کر رہی ہے۔ ان سے دلچسپی پیدا ہونا قدرتی امر تھا' چنانچہ موصوف کی دعوت پر بنگلہ دیش خلافت مجلس کے مرکزی دفتر جانے کا پروگرام طے پایا جس کا تفصیلی ذکر بعد میں آئے گا۔

ڈاکٹر عبید الرحمن : میڈیکل ڈاکٹر اور مجلس خلافت کے رکن ہیں۔

مسعود خان : فلسفہ کے لیکچرار رہے ہیں۔ وائس پرنسپل کے طور پر ریٹائر ہوئے۔ ۸۹ء میں خلافت مجلس میں شامل ہوئے۔ پہلے سیکرٹری جنرل کے طور پر ۲ سال تک ذمہ داری نبھائی۔ آج کل نائب امیر کے عہدے پر فائز ہیں۔

ڈاکٹر حسن : ایم اے پولیٹیکل سائنس۔

مسعود مجو مدایر : اسسٹنٹ ایڈیٹر "ہفت روزہ' بکرم"

محمد اسماعیل حسین : ایڈیٹر "ماہانہ شنگ سکار"

رضاالکریم : (Cultural Activist)

عالم مسعود : جرنلسٹ

پروفیسر سراج : سوشل کلچرل ورکر جرنلسٹ

برادرم عبدالواحد : پی۔ آر۔ او رابطہ اسلامی اسلامی' جرنلسٹ

مجاھد الاسلام : پروفیسر' ڈیپارٹمنٹ آف فنانس اینڈ بینکنگ ڈھاکہ یونیورسٹی

سلطان احمد : ایگزیکٹو ایڈیٹر ہفت روزہ بکرم

الفاظ الانعام : جرنلسٹ

تعارفی نشست کے بعد امیر محترم نے اپنے مختصر خطاب میں اسلامی کے مستقبل اور اس کے عالمی غلبے سے متعلق نیا نقطہ نظر احادیث کی روشنی میں حاضرین پر واضح کیا۔ نیز عالم اسلام کی مختلف احیائی تحریکوں کا ذکر کرتے ہوئے منہج انقلاب نبوی کو سمجھنے کو ضرورت اور اس کے مطابق اپنے لائحہ عمل کو متعین کرنے کی اہمیت بیان کرتے ہوئے تنظیم اسلامی کا بھرپور تعارف کروایا۔ ساتھ ہی ساتھ نظم جماعت کے لیے بیعت کی مسنون اور ماثور اساس کی افادیت سامنے رکھی۔ امیر محترم کا خطاب ۴۵ منٹ تک جاری رہا۔ خطاب کے بعد طے کیا گیا کہ سوال جواب کی نشست کھانے کے بعد ہوگی۔ ادارہ ہفت روزہ بکرم کی جانب سے کھانے کا اہتمام بنگلہ دیش کی روایتی سادگی کا مظہر تھا۔ پلاؤ کے ساتھ ایک پلیٹ مرغ کا سالن جو سب حضرات کے لئے متعین مقدار میں تھا۔ یہاں ہم میٹھے کے طور پر ایک نئی ڈش سے متعارف ہوئے جسے ہمارے بنگلہ دیشی بھائی "دہی" کے نام سے پکارتے ہیں۔ دودھ کو خوب گاڑھا کر کے اس میں مناسب میٹھا ڈال کر جمالیا جاتا ہے جس سے گلابی رنگ کی بڑے مزیدار اور ہلکی پھلکی سی ڈش تیار ہو جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ "دہی" کو یہاں اسی انداز میں کھانے کا رواج ہے۔ ہم پاکستان میں جس دہی سے واقف ہیں وہ صرف لسی بنانے اور رہنڈیا میں ڈالنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

کھانے کے بعد سوال جواب کی نشست شروع ہوئی' یہ نشست بھی قریباً ۴۵ منٹ تک چلی۔ زیادہ تر سوال منہج انقلاب نبوی کے حوالے سے تھے۔ برادرم عبدالقادر (سیکرٹری جنرل خلافت مجلس) نے اس ضمن میں بڑے چبھتے ہوئے سوالات کیے' ان کا انداز بھی جارحانہ تھا۔ تاہم امیر محترم نے بڑے تحمل سے مدلل جوابات کے ذریعے اپنی بات سمجھانے کی کوشش کی۔ پاکستان کے موجودہ حالات نیز حالیہ سیاسی و آئینی بحران کے حوالے سے بھی سوال کیے گئے۔ سپریم کورٹ پر مسلم لیگی ورکروں کے حملے اور جسٹس سجاد علی شاہ کے خلاف ان کے اپنے ہی مقرر کردہ ججوں کے رویئے اور حکومت کے طرز عمل کی بنا پر پاکستان کا امیج بیرون ملک کافی متاثر ہوا ہے۔ یہ سنجیدہ و علمی نشست رات ۹:۴۵ تک اپنے اختتام کو پہنچی۔

آج کا دن بھی خوب مصروف اور تھکا دینے والا تھا۔ محصورین کے کیمپ کا دورہ جس نے سارے اعصاب کو کافی حد تک متاثر کیا اور بعض مقامات پر سیڑھیاں چڑھنے و اترنے کی مشقت نے امیر محترم کو کافی حد تک نڈھال کر دیا تھا۔ کل کا پروگرام فائنل کرنے کے بعد برادرم عبدالواحد اور حفیظ الرحمن ہم سے رخصت ہوئے اور ہم کل کی مصروفیات کے لئے تازہ دم ہونے کی خاطر نیند کی آغوش میں چلے گئے۔

(جاری ہے)

نقیب اسرہ جہلم کی دعوتی سرگرمیاں

نقیب اسرہ جہلم جناب محمد اشرف اور عبدالناصر کے تعاون سے موضع جنجیر ضلع جہلم کی مقامی مسجد میں دعوتی پروگرام منعقد ہوا جس میں نقیب اسرہ نے "سہ نکاتی لائحہ عمل" کے موضوع پر خطاب کیا۔ اسی نوعیت کا دوسرا دعوتی پروگرام مسجد کوہیاں نزد سرائے عالمگیر میں منعقد ہوا۔ راقم نے "اولیاء اللہ کے اوصاف" کے موضوع پر خطاب کیا۔ دعوتی پروگرام کا انعقاد نقیب اسرہ جہلم بیت جناب صوفی محمد صدیق کی کاوشوں کا مرہون منت تھا۔

پریس ریلیز

نومنتخب صدر نے اپنے آپ کو لبرل کہہ کر امریکی آقاؤں کو خوش کر لیا' ڈاکٹر عبدالخالق

لاہور ۴ جنوری' نومنتخب صدر پاکستان نے اپنے آپ کو لبرل کہہ کر امریکی آقاؤں کو خوش کر دیا مگر آقا حقیقی اللہ تبارک و تعالیٰ کی ناراضگی مول لے لی۔ ان خیالات کا اظہار تنظیم اسلامی پاکستان کے نائب امیر ڈاکٹر عبدالخالق نے مسجد دارالسلام باغ جناح میں نماز جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ انہوں نے کہا کہ لفظ "لبرل" سیکولرازم کی ایجاد ہے لہٰذا اپنے آپ کو لبرل کہنا' سیکولرازم کے نظام کو تقویت دینے اور اس کی ترجمانی کے مترادف ہے۔ انہوں نے کہا کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فرد بنیاد پرست ہے اور اسے اپنی بنیاد پرستی پر فخر ہے' مگر ہمارے حکمران اپنا تعلق دین سے توڑ کر کسی اور سے وفاداری کا دم بھرنے میں مصروف عمل ہیں۔ لہٰذا عوام کو بھی ان کی ظاہری وضع قطع سے کسی قسم کی کوئی توقع نہیں رکھنی چاہئے۔ ڈاکٹر عبدالخالق نے کہا کہ صدر پاکستان نے کہا ہے کہ میں خواتین کو برقع نہیں پہناؤں گا حالانکہ حقیقت بھی یہی ہے کہ ان کے پاس کسی قسم کا اختیار ہی نہیں' لہٰذا وہ برقعہ تو کیا کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ انہوں نے مزید کہا کہ حکمرانوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہئے اور اس ملک میں اللہ کے نظام کو قائم کرنا چاہئے جبکہ وہ ۲۷ رمضان المبارک کی چھٹی دے کر یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ دین کی خدمت ہے۔ یہ قطعاً دین کی خدمت نہیں بلکہ اصل خدمت تو دین اسلام کا قیام و نفاذ ہے۔

عوامی جمہوریہ بنگلہ دیش : منظر و پس منظر

تحریر و ترتیب : فرقان دانش خان

قیام بنگلہ دیش سے اب تک کے حالات

16/ دسمبر 1971ء کو مشرقی پاکستان نے مغربی پاکستان سے علیحدگی اختیار کر کے بنگلہ دیش کے نام سے خود مختار مملکت کا اعلان کر دیا۔ بنگلہ دیش میں پہلے عام انتخابات 7/ مارچ 1973ء کو ہوئے تھے جس کے نتیجے میں شیخ مجیب الرحمن کی جماعت عوامی لیگ نے پارلیمنٹ کی 300 میں سے 294 سیٹیں جیت لیں۔ ابو سید چوہدری' ملک کے صدر اور شیخ مجیب الرحمن ملک کے پہلے وزیر اعظم بنے۔ دسمبر 1974ء میں آئین میں ترمیم کے ذریعے ملک میں صدارتی نظام رائج کر دیا گیا اور مجیب صدر بن گئے۔ 15/ اگست 1975ء کو فوجی بغاوت کے نتیجے میں شیخ مجیب الرحمن اور ان کے اہل خانہ کو قتل کر دیا گیا۔ خوندکر مشتاق احمد صدر بنے' لیکن نومبر 1975ء میں جنرل ضیاء الرحمن نے مارشل لاء لگا دیا اور ابو سادات محمد صیام کو صدر بنا دیا گیا' جن کے استعفیٰ دینے پر ضیاء الرحمن خود صدر بن گئے۔ 1977ء کے اواخر میں کسی حد تک جمہوری سرگرمیوں کی اجازت دے دی گئی۔ ضیاء الرحمن نے ایک نئی سیاسی جماعت جاتیہ (نیشنلسٹ) پارٹی کی بنیاد رکھی اور 1978ء میں وہ صدر منتخب ہو گئے۔ 1979ء میں مارشل لاء اٹھانے کا اعلان ہوا اور ایک جمہوری حکومت کے قیام کا عمل مکمل ہو گیا۔ تاہم نومبر 1981ء میں ایک سرکاری دورے کے درمیان ضیاء الرحمن کو چٹاگانگ میں قتل کر دیا گیا تو نائب صدر عبدالستار نے عہدہ صدارت سنبھالا۔ مارچ 1982ء میں آرمی چیف محمد ارشاد نے ملک کا اقتدار سنبھال لیا۔ نومبر 1986ء میں جنرل ارشاد نے مارشل لاء اٹھا دیا' مگر ملک کی اقتصادی بدحالی پر حکومت کے خلاف مظاہروں میں شدت کے باعث 88-1987ء میں ایمرجنسی نافذ کر دی گئی۔ مارچ 1988ء میں منعقد ہونے والے پارلیمانی انتخابات میں حکمران جماعت جاتیہ پارٹی نے اکثریت حاصل کر لی اور جون 1988ء میں ارشاد نے آئین میں ترمیم کر کے اسلام کو سرکاری مذہب قرار دے دیا۔ 1990ء میں حکومت کے خلاف عوامی مظاہروں کے باعث صدر ارشاد کو استعفیٰ دینا پڑا اور اگلے سال ہی انہیں ایک مقدمے میں دس سال کی سزا سنا دی گئی۔ 1991ء کے اوائل میں سابق صدر ضیاء الرحمن کی بیوہ خالدہ ضیاء وزیر اعظم منتخب ہو گئیں۔ فروری 1996ء کے انتخابات میں بھی بنگلہ دیش نیشنل پارٹی اور اس کی رہنما خالدہ ضیاء نے دو تہائی اکثریت حاصل کر لی کیونکہ اپوزیشن جماعتوں نے انتخابات کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔ انتخابات کے بعد اپوزیشن نے احتجاجی تحریک چلائی اور وزیر اعظم خالدہ ضیاء کو مجبوراً 26 مارچ 1996ء کو آئین میں ترمیم کرنا پڑی' جس کے

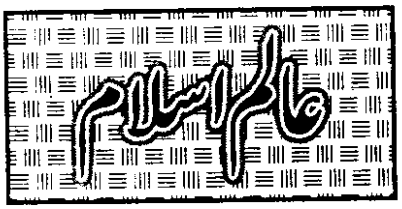

مطابق انتخابات کے دوران غیر جماعتی نگران حکومت کی تشکیل ضروری کر دی گئی۔ 30 مارچ 1996ء کو صدر بسواس عبدالرحمن نے اسمبلی کو برطرف کر دیا۔ خالدہ ضیاء نے استعفیٰ دے دیا اور ایک گیارہ رکنی نگران حکومت نے 12/ جون 1996ء کو عام انتخابات منعقد کروائے۔ ان انتخابات کے نتیجے میں عوامی لیگ 300 میں سے 147 نشستیں حاصل کر کے برسر اقتدار آ گئی اور شیخ مجیب الرحمن کی بیٹی شیخ حسینہ واجد بنگلہ دیش کی وزیر اعظم بن گئیں جو تاحال اس منصب پر فائز ہیں۔

مسلمانان بہار :

سقوط مشرقی پاکستان کی تمدیخ میں ان لوگوں کا ذکر نہ کرنا ناانصافی کے زمرے میں آئے گا' جو علیحدگی کی تحریک کے دوران وحدت پاکستان کے علمبردار تھے۔ یہ وہ مہاجر تھے' جو بہار سے ہجرت کر کے پاکستان کی محبت میں مشرقی پاکستان آ گئے تھے اور آج بنگلہ دیش کیمپوں میں کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد سے اب تک پاکستان میں سیاسی عدم استحکام کے باعث ان کی آبادکاری کا مسئلہ تعطل کا شکار ہے۔ نواز شریف حکومت کے سابقہ دور حکومت کے تجربے کی روشنی میں یہ امید ہو چلی تھی کہ وہ دوبارہ حکومت میں آنے کے بعد اس مسئلے پر توجہ دیں گے' لیکن پاکستان میں حالیہ سیاسی بحران کے بعد ان 4 لاکھ پاکستانی شہریوں میں مایوسی اور گومگو کی کیفیت ایک بار پھر نقطہ عروج پر ہے۔ یہ لوگ 26 سال سے بنگلہ دیش کے 66 مہاجر کیمپوں میں محصور ہیں۔ انہوں نے بنگلہ دیش کی مختلف حکومتوں کی طرف سے پیشکش کے باوجود وہاں کی شہریت لینے سے انکار کر دیا ہے۔

بہاریوں نے اپنے آباؤ اجداد کے ساتھ تقسیم کے بعد اپنے گھر اور جائیدادیں چھوڑیں تاکہ ایک آزاد اسلامی ریاست پاکستان میں ہندو کی غلامی سے نکل کر اللہ کی اطاعت میں زندگی گزار سکیں۔ سقوط مشرقی پاکستان کے بعد ایک بار پھر انہوں نے پاکستان میں رہنے کو ترجیح دی۔ مگر افسوس ان کی واپسی کے لئے تاحال کسی حکومت نے سنجیدگی سے کوشش نہیں کی۔ ذوالفقار علی بھٹو اور ضیاء الحق کے دور حکومت میں محصورین کے مسئلے پر کچھ توجہ دی گئی مگر ان کی حکومتوں کے خاتمے کے بعد بے نظیر بھٹو کے دور میں یہ معاملہ سرد خانے میں پڑا رہا۔ جبکہ نواز شریف کے پہلے دور حکومت میں 325 افراد کو بنگلہ دیش سے لا کر پنجاب میں آباد کیا گیا تھا۔ اطلاعات کے مطابق محصورین کو پاکستانی شناختی کارڈ بھی جاری ہو چکے ہیں تاہم نواز شریف صاحب نے اپنے اس دور حکومت میں اب تک محصورین کی واپسی کے حوالے سے کوئی سرکاری وضاحت یا پروگرام کا اعلان نہیں کیا ہے۔ محصورین کے ایک وفد نے اعجاز احمد صدیقی کی رہنمائی میں نواز شریف صاحب سے گفت و شنید کے لئے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی جو تاحال پوری نہ ہو سکی' جس پر محصورین کی طرف سے خودکشی اور بھوک ہڑتال کی دھمکی دی گئی ہے۔ اگرچہ محصورین کے قائد اور سرپرست اعلیٰ الحاج محمد نسیم خان نے اعجاز احمد صدیقی کی طرف سے خودکشی اور بھوک ہڑتال کی دھمکی کی پذیرائی نہیں کی ہے' تاہم انہوں نے اس مسئلے کی طرف توجہ دلانے کے لئے ڈھاکہ میں ایک مظاہرہ کرنے کا نوٹس دیا ہے۔ محمد نسیم خان اپنی ایک تحریر میں لکھتے ہیں کہ "زمانے کی ستم ظریفی دیکھئے' پاکستان کے لئے جان قربان کرنے والے ان شہیدوں کے لواحقین کے وجود کو آج بھی تسلیم نہیں کیا جا رہا ہے' جو انڈیا کے مسلم اقلیتی صوبوں میں پاکستان بننے اور بنانے کی پاداش میں ہندوؤں کے انتقام کا نشانہ بنے اور آج بھی بہار کے یہ ستم رسیدہ لٹے پٹے خاندانوں کے چراغ تخلیق پاکستان اور دفاع پاکستان کے جرم میں بنگلہ دیش میں (ریڈ کراس کے قائم کردہ تعفن زدہ کیمپوں میں) سبزہلالی پرچم کے سائے تلے پاکستان جانے کے منتظر ہیں۔"

مغربی اور مشرقی پاکستان کے "اتحاد ثانی" کا نعرہ جذباتی بات نہیں ہے!

مشرقی پاکستان ایک باقاعدہ منصوبے' سازش اور اپنوں کی حماقتوں کی وجہ سے ہم سے جدا ہو گیا

پاکستان کا قیام بنگالی مسلمانوں کے لئے ہندوؤں کی غلامی سے مستقل نجات حاصل کرنے کی تحریک کا نقطہ عروج تھا!

بنگلہ دیش واحد اسلامی ملک ہے جس کا جغرافیائی طور پر کسی مسلم ملک سے زمینی رابطہ موجود نہیں ہے

آزادی کے چھبیس سال بعد بھی "سونار بنگلہ" کے سہانے خواب کی تعبیر نہیں ہو سکی

پاکستان کی قومی زندگی اور تاریخ سے متعلق بعض انتہائی اہم واقعات میں لندن کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ برطانوی راج سے برصغیر کی آزادی اور مشرقی و مغربی حصوں پر مشتمل برصغیر میں ایک آزاد اور خود مختار اسلامی ریاست پاکستان کے قیام کا تاریخی ایکٹ ۱۹۴۷ء میں اسی شہر میں واقع برطانوی پارلیمنٹ سے منظور ہوا۔ پھر مشرقی پاکستان کی علیحدگی اور پاکستان کو دو حصوں میں تقسیم کر کے برصغیر میں مسلم ریاست کے بتدریج خاتمے کی سازش کا بڑا حصہ ۱۹۶۹ء میں اسی شہر میں تیار ہوا اور یہ لندن ہی تھا جو ۱۹۷۱ء میں پاکستان کو ٹکڑوں میں بانٹنے کی ہندوستان اور عوامی لیگ کی مشترکہ تحریک کا بین الاقوامی ہیڈ کوارٹر بنا۔ لیکن اسی شہر میں وہ محب وطن پاکستانی بھی سرگرم عمل ہیں جنہوں نے ایک چوتھائی صدی کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود پاکستان کی تقسیم کو قبول نہیں کیا۔ وہ پاکستان کے دو سابقہ بازوؤں کو ایک دفعہ پھر قریب لانے اور بالآخر ان کے اتحاد کے لئے اسی جذبے سے کام کر رہے ہیں جس جذبے کے ساتھ ان کے پیشروؤں نے پاکستان کے قیام کے لئے کیا تھا۔

پاکستان کے دونوں بازوؤں کے اتحاد ثانی Reunification کی تحریک کے روح رواں وہ حضرات ہیں جن کی اکثریت کا تعلق مشرقی پاکستان سے ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو پاکستانی کہلوانے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ کسی بھی میدان میں پاکستان کی کامیابی پر ان کے دل مسرت سے دھڑکتے اور پاکستان پر پڑنے والی آفتوں اور بحرانوں پر تڑپتے ہیں۔ سقوط ڈھاکہ کی ۲۶ ویں برسی پر انہی حضرات کے گروپ کے ایک انتہائی سنجیدہ' بردبار اور دانشور ڈاکٹر چوہدری سے پاکستان کے دو حصوں کے "اتحاد ثانی" کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر اور تجزیہ پیش خدمت ہے۔

ڈاکٹر چوہدری لکھتے زیادہ اور عموماً گفتگو کم کرتے ہیں لیکن اس دن وہ میرے سامنے تاریخ' سیاست اور جیوپولیٹیکل (Geopolitical) حقیقتوں کے وہ گوشے دلائل اور اعداد و شمار سے نمایاں کر رہے تھے جن کا تعلق متحدہ پاکستان' موجودہ پاکستان اور علیحدہ کئے جانے والے مشرقی پاکستان سے تھا۔ میں نے ان سے سوال کیا تھا کہ اب جبکہ مشرقی پاکستان کو الگ ہوئے ایک چوتھائی صدی سے زیادہ عرصہ بیت چکا ہے اور بنگلہ دیش ایک آزاد ملک کے طور پچھلے چھبیس سال سے قائم ہے' دونوں بازوؤں کے "اتحاد ثانی" سے کیا مقصد حل ہو گا؟ ڈاکٹر چوہدری بتانے لگے کہ پاکستان کے متعلق آپ ایک حقیقت کبھی نہ بھولیں کہ یہ برصغیر کے مسلمانوں کی عظیم اکثریت کی مرضی اور خواہش Will of People سے وجود میں آیا تھا۔ یہ اس لحاظ سے ایک انتہائی منفرد ملک ہے کہ وجود میں آنے سے

پہلے اس کا کوئی جغرافیہ نہ تھا۔ کانگریس اور برطانوی قیادتیں اپنی خواہشات کے خلاف مجبوراً اس لئے قیام پاکستان پر راضی ہوئی تھیں کہ برصغیر کے مسلمان' قائداعظم کی رہنمائی میں اس سے کم کسی چیز پر راضی نہیں تھے۔ یہ بھی تاریخ کا ایک منفرد واقعہ ہے کہ اس ملک کے وجود میں آنے سے پہلے ہی اس کو ختم کرنے کے منصوبے بھی تیار کر لئے گئے تھے۔ اور جب ۲۴ سال بعد ۱۹۷۱ء میں ملک کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تو یہ تقسیم مشرقی اور مغربی پاکستان کے عوام کی مرضی سے نہیں بلکہ ان کی مرضی کے خلاف ان پر ہندوستان اور اس کے حواری عوامی لیگیوں نے مغربی پاکستان کے بعض رہنماؤں کی حماقتوں سے فائدہ اٹھا کر مسلط کی۔ ڈاکٹر صاحب بتانے لگے کہ آپ پاکستان کو نقصان پہنچانے اور اسے ختم کرنے کی بھارتی حکمت عملی پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ شروع دن سے ہی پاکستان کو کشمیر میں الجھا کر ساری توجہ مغربی پاکستان پر مبذول کرائی گئی جبکہ ظاہری طور پر مشرقی پاکستان کو بتدریج پاکستان سے کاٹنے کیلئے اسے خفیہ ریشہ دوانیوں کا نشانہ بنایا گیا۔

مشرقی پاکستان پر بھارتی توجہ کی وجوہات پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر چوہدری کہنے لگے کہ "ہندو رہنما مسلم بنگال کے بارے میں ہمیشہ سے تعصب کا شکار تھے۔ اس صدی کے اوائل ہی کو لیجئے' صرف انتظامی امور کی وجہ سے مشرقی بنگال کا صوبہ ۱۹۰۵ء میں لارڈ کرزن نے تشکیل دیا تھا جس کا دارالحکومت ڈھاکہ تھا۔ لیکن ہندوؤں نے یہ دیکھ کر کہ اس سے اس علاقے کے مسلمان ترقی کرنے کے قابل ہو جائیں گے زبردست ایجی ٹیشن سے صرف چھ سال بعد ہی ۱۹۱۱ء میں یہ صوبہ منسوخ کرا کے بنگالی مسلمانوں کو پھر سے مغربی بنگال کے ہندوؤں کے سیاسی اور معاشی تصرف میں دے دیا۔ پاکستان کا قیام بنگالی مسلمانوں کیلئے ہندوؤں کی اس غلامی سے مستقل نجات کی تحریک کا نقطۂ عروج تھا۔ اگرچہ طوفانی طور پر اٹھنے والی تحریک پاکستان کے نتیجے میں مشرقی بنگال کے مسلمان ایک علیحدہ اور خود مختار وطن کے باشندے تو بن گئے لیکن ہندوستان کی قیادت نے اسے کبھی بھی قبول نہیں کیا اور وہ ان علاقوں کو بھی پھر سے "بھارت ماتا" میں شامل کرنے کیلئے پاکستان کے قیام کے روز اول سے ہی سرگرم ہو گئی۔ آپ کو زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں' پنڈت جواہر لعل نہرو کے قریبی ساتھی اور مشہور مصنف نراد چوہدری کی گواہی پر غور کر لیں۔ انہوں نے اپنی کتاب "The continent of circe" میں لکھا ہے کہ نہرو نے کئی بار مشرقی پاکستان میں فوجیں بھیج کر اسے بھارت میں ضم annex کرنے کا منصوبہ بنایا۔ ان کا جواز تھا کہ وہاں مقیم ہندوؤں پر ظلم ہو رہا ہے۔ بالآخر ۱۹۷۱ء میں نہرو کی بیٹی اندرا نے اندرونی طور پر تخریب

کاری' پروپیگنڈے' عوامی لیگ کی ملی بھگت اور آخر میں "آزادی کی تحریک" کی مدد کرنے کے نام پر جارحیت سے پاکستان کا ایک بازو اس سے الگ کر دیا۔" ڈاکٹر چوہدری کے مطابق یہ علیحدگی بنگالی مسلمانوں کی مدد کیلئے نہیں بلکہ مشرقی پاکستان کو بھارت میں ضم کرنے کی پالیسی کی طرف پہلا قدم تھا۔

پاکستان کے دونوں بازوؤں کے اتحاد ثانی پر زور دیتے ہوئے ڈاکٹر چوہدری کہنے لگے کہ "آپ دنیائے اسلام کے نقشے پر ایک نظر ڈالیں' شمالی افریقہ سے سینٹرل ایشیاء تک تمام مسلمان ملک زمینی طور پر کسی نہ کسی صورت میں ایک قوس کی صورت میں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں' بنگلہ دیش واحد ملک ہے جس کا جغرافیائی لحاظ سے کسی مسلم ملک سے زمینی رابطہ نہیں۔ یہ خلیج بنگال میں واقع الگ تھلگ خطہ پانی میں اور ہندوؤں کے علاقوں کے درمیان گھرا ہوا ہے۔ ایک طاقتور مسلم ملک کے ساتھ اس کا اتحاد ہی اس کی آزادی اور سالمیت کی حفاظت کر سکتا ہے اور وہ ملک قدرتی طور پر اس کا دوسرا بازو پاکستان ہی ہو سکتا ہے"۔ پاکستان پر تو سب سے بڑا الزام یہ تھا کہ وہ مشرقی پاکستان کا اقتصادی استحصال کر رہا تھا؟ میں نے ڈاکٹر صاحب سے بڑا مقبول عام سوال کیا۔

ڈاکٹر صاحب کہنے لگے کہ "اس پروپیگنڈے کے دو رخ ہیں۔ بھارت کی شہ پر عوامی لیگ نے اس الزام کو آزادی کا سلوگن بنا دیا کہ مشرقی پاکستان کے عوام مغربی پاکستان کے استحصال کے باعث پس ماندہ ہیں اور وہ اسی وقت ترقی کر سکتے ہیں جب وہ پاکستان سے مکمل طور پر علیحدگی اختیار کریں۔ اب اس نعرے میں کتنی حقیقت تھی' وہ آج چھبیس سال بعد بنگلہ دیش کی اقتصادی حالت اور خود پاکستان کی نسبتاً ابتر حالت سے صاف ظاہر ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ مغربی پاکستان میں بھی ایسے لوگ موجود تھے جو مشرقی بازو کو ایک بوجھ قرار دیتے تھے اور ان کا تھیسس یہ تھا کہ مشرقی پاکستان سے جان چھڑا کر ہی پاکستان ترقی کر سکتا ہے لیکن دونوں "پروپیگنڈہ بازوؤں" کا نقطۂ نظر اقتصادی لحاظ سے نہایت بے اعتبار ہو کر سامنے آ چکا ہے۔ سنہری بنگلہ دیش (سونار بنگلہ) کے سہانے خواب کی کتنی ڈراؤنی تعبیر سامنے آئی ہے کہ آزادی کے چھبیس سال بعد بھی یہ ملک دنیا کی غریب ترین اقوام میں آخری نمبر پر ہے اور بدقسمتی سے کوئی اقتصادی جائزہ اس صورت حال میں تبدیلی کا اشارہ نہیں کر رہا۔ اقتصادی خوشحالی کے بغیر کوئی بھی معاشرہ اور ملک اپنی آزادی کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ بنگلہ دیش کے لئے تو اور بھی مشکل ہے کیونکہ ہندوستان موقع ملتے ہی اپنے اصل پروگرام یعنی مشرقی بنگال کے مغربی بنگال میں ادغام کے منصوبے پر عمل سے گریز نہیں کرے گا۔ مجیب کی باقیات کے اقتدار میں آنے سے اس کو اس کام میں اور بھی آسانی ہوگی۔ حال ہی میں چٹاگانگ کے چکمہ قبائل کی خود مختاری کا جو معاہدہ ہوا ہے وہ اسی سمت میں ایک اہم اور خطرناک قدم ہے۔

لیکن ڈاکٹر صاحب! مشرقی پاکستان کے عوام نے تو عوامی لیگ کو اپنے ووٹوں کا اعتماد بخشا تھا' کیا یہ ووٹ آزادی اور خود مختاری کے لئے نہیں تھے؟ میں نے پوچھا۔

"آپ حسینہ واجد کے حق میں پڑنے والے ووٹوں کا جائزہ لیں۔ ستر فی صد سے زائد ووٹ اس خاتون اور اس کی پارٹی کے خلاف پڑے ہیں' خود شیخ مجیب کے ساتھ کیا ہوا؟ کیا کبھی دنیا کی تاریخ میں ایسا ہوا ہے کہ قوم نے اپنے ہی "نجات دہندہ" Liberator کو چند برس میں ہی خاندان سمیت مار ڈالا ہو اور اس ملک میں اس موت پر اطمینان کا سانس لیا گیا ہو۔ یہ سب کچھ بنگلہ دیش میں ہماری اور آپ کی آنکھوں کے سامنے ہوا ہے۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں مجیب کی کامیابی اب منظر عام پر آنے والی تمام شہادتوں کے مطابق پروپیگنڈے کی بے پناہ قوت دھاندلی اور غنڈہ طاقت کے بے رحمانہ استعمال کے نتیجے میں ووٹوں کے حصول کی مرہون منت تھی۔

انتخابات کے بعد سے ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو سقوط ڈھاکہ تک پیش آنے والے واقعات پر اب ربع صدی بعد نظر ڈالی جائے تو کسی بھی انصاف پسند اور غیر جانبدار انسان کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں کہ ۱۹۷۰ء میں مسلم بنگال نے پاکستان سے علیحدگی کے لئے نہیں بلکہ پاکستان کے مرکز اور اقتدار کے ایوانوں میں اپنا جائز حصہ لینے کے لئے ووٹ ڈالے تھے۔ بین الاقوامی حالات' ہندوستان کے پاکستان کو توڑنے کے منصوبے' عوامی لیگ کا ہندوستان کا آلہ کار بننے اور مغربی پاکستان کی فوجی اور سیاسی قیادت کی طرف سے بنگالی مسلمانوں کی امنگوں کو صحیح طور پر نہ سمجھنے نے ان انتخابی نتائج کو پاکستان کی تقسیم کا بہانہ بنا دیا گیا۔"

مشرقی پاکستان کی علیحدگی جن بدقسمت حالات اور خونیں واقعات کی روشنی میں عمل میں آئی اور دونوں حصوں کے درمیان اس خونریزی سے جو نفرت بڑھی ہے کیا وہ اتحاد ثانی کے خواب کو کبھی شرمندۂ تعبیر ہونے دے گی؟۔

ڈاکٹر صاحب نے اس چبھتے ہوئے سوال کے جواب میں کہا: "بدقسمتی سے جو خونریزی ہوئی وہ ہر محب وطن کے لئے افسوسناک ہے لیکن آپ یہ بھی تو غور کریں کہ مرنے والوں کی تعداد کتنی حقیقی تھی اور اس میں پروپیگنڈے کا عنصر کتنا ہے' جس نے دوری اور نفرت پیدا کی۔ عوامی لیگ نے ہندوستان کی مدد سے اس وقت یہ پروپیگنڈہ کیا کہ تین ملین افراد اس سانحے کی بھینٹ چڑھے ہیں' حالانکہ اب آزاد ذرائع سے جو اعداد و شمار سامنے

بنگلہ دیش میں پٹ سن کی کاشت کا دلفریب منظر

آئے ہیں اور جس کی تصدیق نیویارک میں واقع
International Institute of War Casualties Studies
نے بھی کر دی ہے کہ یہ تعداد ایک لاکھ بھی نہ تھی' یعنی اصل تعداد کو تیس گنا بڑھا کر پیش کیا گیا تھا اور اس میں وہ غیر بنگالی اور بنگالی مسلمان بھی شامل تھے جو عوامی لیگ کے ہاتھوں آرمی ایکشن سے پہلے یا آرمی ایکشن کے دوران ۱۶/ دسمبر ۱۹۷۱ء میں بنگلہ دیش کی آزادی کے بعد مکتی باہنی اور راکھی باہنی کے ہاتھوں مارے گئے۔ جن لوگوں نے عوامی لیگ کی طرف سے پاکستان کے خلاف اس جنگ میں حصہ لیا' جنہوں نے ہندوستان میں ٹریننگ حاصل کی اور بعد میں جنہوں نے خود اپنی آنکھوں سے حقیقت دیکھ کر اپنے مشاہدات بیان کئے ہیں کہ وہ پروپیگنڈے سے گمراہ ہو گئے تھے ان کی لکھی ہوئی کتابوں میں پوری شہادتوں کے ساتھ موجود ہیں۔ بھارت نے بین الاقوامی میڈیا کے تعاون سے اس وقت پروپیگنڈے کا ایسا طوفان پوری دنیا میں برپا کیا کہ ہر ایک پاکستان کے مظالم کے بارے میں پر یقین ہو کر بنگلہ دیش کی آزادی کا حامی بن گیا اور پاکستان کا کیس کہیں بھی نہ سنا جا سکا۔"

پاکستان کے لوگوں' صاحبان اقتدار اور دانشوروں کو یہ حقیقت کبھی فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ پاکستان کا قیام برصغیر میں مسلمانوں کے مسلم قومیت پر مبنی نظریئے کے اظہار کا مرہون منت ہے اور تحریک قیام پاکستان میں' اس سے قبل پاکستان کی خالق جماعت مسلم لیگ کی تخلیق میں مسلم بنگال (مشرقی پاکستان) کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ پاکسان صرف مغربی پاکستان کے فائدے کے لئے نہیں بلکہ برصغیر کے تمام مسلمانوں کی عظیم اکثریت کی مرضی سے تمام مسلمانوں کی آزادی' خود مختاری اور فلاح و بہبود کے لئے وجود میں آیا تھا۔ یہ ہندوؤں کی سیاسی' اقتصادی' سماجی اور ثقافتی غلامی سے مستقل نجات اور مسلمانوں کی اپنی معاشرت' تہذیب و تمدن' اخلاقیات کی ترویج اور سب سے بڑھ کر اسلام کی بنیاد پر ریاست کی تعمیر و تشکیل کے لئے چلائی جانے والی تحریک کی منزل اولین تھا۔ اس تحریک میں مشرقی پاکستان کے عوام مغربی پاکستان کے عوام کے شانہ بشانہ تھے۔ انہیں ایک باقاعدہ منصوبے' سازش اور اپنوں کی حماقتوں کے باعث جدا کر دیا گیا ہے۔ ان کا اتحاد ثانی کوئی جذباتی نعرہ نہیں بلکہ تحریک تکمیل پاکستان یعنی برصغیر میں ایک آزاد' خود مختار اور مضبوط اسلامی مملکت کی سالمیت اور بقاء کے لئے اہم بھی ہے۔ یہ ہماری سوچ ہے' ہماری زندگی کا مشن ہے' ہم اسی لئے سرگرم عمل ہیں اور اپنے مغربی پاکستانی بھائیوں کو بھی اس کام میں ہاتھ بٹانے کی پر خلوص دعوت دیتے ہیں"۔

(تکبیر' یکم جنوری ۱۹۹۸ء)

دور جدید کے معاشی چیلنج کا مقابلہ فوجی طاقت سے ممکن نہیں

اخذ و ترجمہ : سردار اعوان

۳۱/ نومبر کے "ڈان" میں راولپنڈی کے اے رشید صاحب کا Fresh Outlook on national security کے عنوان سے ایک خط شائع ہوا ہے جس کے مندرجات سے اختلاف تو کیا جا سکتا ہے لیکن اسے بالکل نظر انداز کرنا شاید مناسب نہ ہو' چنانچہ اس خط کا ایک تجزیاتی مفہوم یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ (ادارہ)

سرد جنگ کے خاتمے سے عالمی سطح پر حالات میں جو تبدیلی واقع ہوئی ہے اس کے نتیجے میں روائتی قومی ریاستوں کا دائرہ بہت حد تک محدود ہو کر رہ گیا ہے اس لئے کہ اب فوجی تیاریوں اور اسلحے کی دوڑ کی جگہ ٹیکنالوجی کی دوڑ اور معاشی و تجارتی جنگ نے لے لی ہے جس کا مقابلہ ٹینکوں اور توپوں سے نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا کا شاید ہی کوئی ایسا ملک ہو گا جو اس تبدیلی سے متاثر نہ ہو رہا ہو۔ جس طرح کوئی ملک ہوا کے ساتھ گرد و غبار کو اپنے ہاں آنے سے نہیں روک سکتا' یہی معاملہ آج این۔ جی۔ اوز اور ملٹی نیشنلز کا ہے۔ کرۂ ارض کی گرمائش global warming کا مسئلہ ہو یا دن رات ۲۴ گھنٹے جاری تجارتی سرگرمیاں اور ایسے دیگر کئی رجحانات' جنہیں دنیا کے کسی ملک میں داخلے کے لئے پاسپورٹ اور پرمٹ درکار نہیں' گویا یہ زمین فی الواقع ایک اکائی بن گئی ہے۔ لہٰذا آپ کو پسند ہو یا نہ' آپ عالمی سطح پر رونما ہونے والی تبدیلیوں سے لاتعلق نہیں رہ سکتے۔ کوئی ملک فوجی طاقت کے ذریعے کسی بیرونی حملے کا مقابلہ تو کر سکتا ہے لیکن آبادی میں بے پناہ اضافے' موسمی تغیرات سے پیدا ہونے والے نتائج یا غیر ملکی کرنسیوں کے کاروبار' سٹاک ایکسچینجوں اور خود کار فیکٹریوں' بائیوٹیک فارمنگ وغیرہ کا مقابلہ کرنا فوجوں کے بس کی بات نہیں۔

مسلح افواج کی اہمیت مسلم ہے مگر اس وقت قومی اور بین الاقوامی سلامتی کو فوری طور پر جوہری اور روائتی قسم کی طویل جنگوں کی بجائے بین الاقوامی دہشت گردی اور منشیات کی تجارت جیسے خطرات کا سامنا ہے۔ لہٰذا حکومتوں کو چاہئے کہ فوجی خطرات کا خیال چھوڑ کر دنیا کو جو نئے چیلنج درپیش ہیں' ان کے بارے میں ٹھوس لائحہ عمل تیار کریں۔

چین کو خصوصی مراعات دینے اور روس کو خطیر مالی امداد کے علاوہ G-8 ممالک کی فہرست میں شامل کرنے اور جاپان اور بھارت کو تجارتی سہولیات کی فراہمی جیسے فیصلوں سے امریکہ کے نقطہ نگاہ میں تبدیلی کی عکاسی ہوتی ہے۔ نیو ورلڈ آرڈر کے مضمرات کو دیکھتے ہوئے پاکستان کو بین الاقوامی مسائل کی جانب اپنا نقطہ نظر تبدیل کرنے اور دنیا کے معروضی حقائق کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

سرد جنگ کے دوران پاکستان امریکہ کے تحت مغربی بلاک کا سرگرم رکن رہا اور بھارت دشمنی کے جنون میں اس کے ساتھ تین جنگیں لڑ چکا ہے یہ دیکھے بغیر کہ ایک بڑی طاقت ہمارے سر پر بیٹھی ہے جو بھارت کی دوست اور ہماری دشمن ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۷۱ء میں آدھا ملک ہی ہاتھ سے جاتا رہا۔ امریکہ' چین اور دوسرے دوست ممالک کی مدح سرائی اور اقوام متحدہ میں ہماری لچھے دار تقریریں' ان میں سے کوئی شے بھی ہمیں انجام بد سے نہ بچا سکی۔ لہٰذا پرانی خواہشات کو سینے سے لگائے رکھنے اور بلند و بالا تصورات پالنے کی بجائے ہمیں ان بالاتر عوامل کی جانب توجہ مبذول کرنی چاہئے جو اس وقت زیادہ اہمیت کے حامل ثابت ہو رہے ہیں۔

اپنا گھر جلا کر تماشہ دیکھنے کی عادت دانشمندی کی بات نہیں اور نہ ہی اپنی محرومیوں کا الزام دوسروں کے سر تھوپنے سے کچھ حاصل ہو گا۔ نیو ورلڈ آرڈر کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اگر ہم آگے بڑھنے کی کوشش کریں تو کامیابی کے امکانات پیدا ہو سکتے ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا نظام خلافت

تحریر و تحقیق : فرقان دانش خان

اسلامی حکومت انسان کے بنائے ہوئے قوانین کی مرہون منت نہیں ہوتی بلکہ اس کے پاس ایک بنا بنایا دستور ہوتا ہے۔ یہ دستور اس حقیقی قانون ساز کا عطا کردہ ہے' جو انسانوں کا خالق اور اس کائنات کا مالک ہے اور اسے انسانی ضروریات کا بخوبی علم ہے۔ اسلامی حکومت کا سربراہ خلیفہ یا امیر کہلاتا ہے۔ خلیفہ صرف دستور الٰہی کو نافذ کرتا ہے' وضع نہیں کرتا۔ یعنی اسلامی حکومت میں اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہوتا ہے۔ حکومت کے متعلق اسلامی نقطہ نظر یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اپنا خلیفہ اور نائب بنا کر بھیجا ہے تاکہ وہ خود احکام خداوندی کی اطاعت کرتے ہوئے اس کے احکام اس دنیا میں بھی نافذ کرے اور کوئی قانون ایسا نہ بنائے جو قرآن و حدیث کے خلاف ہو۔ سب سے پہلے حضرت محمد ﷺ نے مدینہ منورہ میں حکومت الہیہ کی تشکیل فرمائی۔ آپؐ کے بعد خلافت راشدہ ایک صحیح اور قابل تقلید اسلامی حکومت تھی۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے مختصر مگر مثالی دور حکومت میں جس اسلامی نظام حکومت کا بیج بویا تھا' حضرت عمر فاروقؓ نے اسے پائیدار بنیادوں پر استوار کیا۔ چونکہ حضرت عمر فاروقؓ کا نافذ کردہ نظام حکومت تمام خلفاء کے دور میں بھی رائج رہا' اس لئے آپؓ کے طرز حکومت کو خلفائے راشدین کا نظام حکومت قرار دیا جا سکتا ہے۔ آپؓ نے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے گوناگوں اصلاحات نافذ کیں' جن کا اجمالی جائزہ حسب ذیل ہے۔

صوبائی نظام :

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دس سالہ دور خلافت میں وسیع مملکت اسلامیہ کو انتظامی سہولت کے پیش نظر گیارہ صوبوں یعنی مکہ' مدینہ' شام' جزیرہ' بصرہ' کوفہ' فلسطین' مصر' فارس' خراسان اور آذربائیجان میں تقسیم کر دیا تھا۔ ہر صوبے کا حاکم اعلیٰ اس صوبے کا والی یا عامل کہلاتا تھا' جو صوبے کے نظم و نسق کا نگران و ذمہ دار ہوتا تھا۔ تقرر سے پہلے اس کے اموال (جائیداد) کی فہرست بنا کر چار گواہوں کے دستخط ثبت کرا کے اس دستاویز کو محفوظ کر لیا جاتا' تاکہ عہدہ چھوڑتے وقت اس کے اموال کی پڑتال ہو سکے۔ اگر فہرست سے زیادہ مال و اسباب نکلتا تو بازپرس کی جاتی اور آدھا مال ضبط کر کے بیت المال میں جمع کرا دیا جاتا (فتوح البلدان)۔ تقرری کے وقت اس کو ایک پروانہ دیا جاتا جس میں اس کے اختیارات کی تشریح ہوتی۔ اس کے علاوہ اس سے یہ حلف لیا جاتا کہ وہ ترکی (اعلیٰ نسل) گھوڑے پر سوار نہ ہوگا' باریک کپڑا نہ پہنے گا' چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا' دروازے پر دربان نہ رکھے گا اور اہل حاجت کے لئے ہمیشہ اپنا دروازہ کھلا رکھے گا (کتاب الخراج)۔ ہر صوبے کے دارالحکومت میں مرکزی مسجد کے متصل دارالامارات یعنی گورنر ہاؤس کی عمارت ہوتی تھی' جس میں صوبے کا والی سکونت پذیر ہوتا تھا۔ اس عمارت کے آگے کوئی ڈیوڑھی نہ بنائی جا سکتی تھی تاکہ اس کے مردانہ حصے میں سائلین بلا روک ٹوک آ جا سکیں۔

انتظامی عہدے :

ہر صوبہ میں صوبہ کا گورنر (والی) ہی صوبائی محکمہ فوج کا افسر اعلیٰ ہوتا تھا لیکن بعض حالات میں فوج کا انچارج الگ بھی ہوتا تھا جو کاتب الدیوان کہلاتا تھا۔ صوبائی افسر خزانہ صاحب بیت المال کہلاتا تھا' جس کے فرائض میں بیت المال کی نگرانی اور اس کا حساب کتاب رکھنا ہوتا تھا۔ صوبوں کے دوسرے افسران میں میر منشی (چیف سیکرٹری)' صاحب الخراج (صیغہ مال کا افسر اعلیٰ) اور صاحب الاحداث (آئی جی' پولیس) شامل تھے۔ افسران اعلیٰ کا ہاتھ بٹانے کے لئے چھوٹے کارکنوں کا عملہ بھی ہوتا تھا۔

عہدہ داروں کا انتخاب اور ان کا احتساب :

حکام کے انتخاب میں بھی حضرت عمرؓ بڑی احتیاط برتتے اور مشورہ سے عہدہ داروں کا انتخاب کرتے تھے۔ ہر عامل کو تقرر کے وقت ایک پروانہ دیتے تھے' جس میں اس کے فرائض کی وضاحت ہوتی اور اس فرمان پر خلیفہ کی مہر کے علاوہ بطور گواہ مقتدر صحابہ کے دستخط ہوتے تھے۔ مجلس شوریٰ میں متعلقہ عہدیدار کا باقاعدہ تعارف کر دیا جاتا اور اس کے فرائض منصبی پڑھ کر سنائے جاتے۔ اسی طرح جہاں وہ مقرر کیا جاتا تھا وہاں مجمع عام میں بھی پروانہ تقرری و اختیارات سنایا جاتا' تاکہ وہ اپنی حدود سے آگے نہ بڑھنے پائے۔ تمام حکام کو ہدایت تھی کہ حج کے موقع پر مکہ میں ضرور حاضر ہوں' جہاں ان کی موجودگی میں اعلان عام کیا جاتا تھا کہ جس شخص کو جس عامل سے شکایت ہو پیش کرے۔ چنانچہ لوگ اپنی شکایات پیش کرتے اور حضرت عمرؓ وہیں ان شکایات کا تدارک فرماتے تھے۔ عمال کے خلاف شکایت پر بعض اوقات تحقیقاتی کمیشن بھی مقرر کر دیتے تھے تاکہ صحیح صورت حال سامنے آ سکے۔ جس عامل کے بارے میں سنتے کہ عوام اس کے یہاں باریابی نہیں پاتے' اسے منصب سے الگ کر دیتے۔ آپؓ افسروں اور عہدہ داروں کو ہمیشہ رشوت سے بچنے اور سادہ زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتے تھے۔

انتظامی محکمہ جات :

حضرت عمر فاروقؓ نے انتظامی نقطہ نظر سے متعدد مرکزی اور صوبائی محکمے بھی قائم کئے جو آپؓ کی اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کا پتا دیتے ہیں۔ اگرچہ آج کے دور میں یہ محکمے اپنی ترقی یافتہ شکل میں موجود ہے لیکن ان محکموں سے متعلق آپؓ کے وضع کردہ اصولوں سے اسلامی حکومت میں فائدہ اٹھایا جائے تو نہ صرف کرپشن ختم ہو سکتی ہے بلکہ ہر طرف چین و سکون کا دور دورہ ہو سکتا ہے۔

محکمہ عدالت :

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں محکمہ عدالت کو الگ کر دیا تھا۔ والی کے بعد صوبے کا دوسرا بڑا منصب قاضی کا تھا' جو صوبائی عدلیہ کا نگران اعلیٰ ہوتا تھا۔ تمام مقدمات کے فیصلے اسی کے محکمہ میں ہوتے تھے۔ اس عہدے کے لئے ایسے لوگوں کا انتخاب کیا جاتا تھا جو عادل' متقی' علوم فقہ کے ماہر' معاملہ فہم' نکتہ شناس' متمول (مالدار) و معزز ہوتے تھے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام ایک فرمان میں حضرت عمر فاروقؓ نے قاضی کے دولت مند و معزز ہونے کی وجہ یہ لکھی کہ وہ رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا اور کسی کے رعب داب سے متاثر نہ ہوگا ("الفاروق" از شبلی نعمانی)۔ اس کے علاوہ حضرت عمر فاروقؓ نے قاضیوں کی بڑی بڑی تنخواہیں مقرر کی تھیں' تاکہ انہیں بالائی رقم کی ضرورت نہ رہے۔ آپؓ نے قاضیوں کو ہدایت کی تھی کہ وہ مقدمات کا فیصلہ کتاب و سنت کے مطابق کریں' اگر کتاب و سنت میں اس مسئلہ کا حل نہ ملے تو پھر اجتہاد سے کام لیں۔ ابتداء میں قاضی اپنے گھر میں عدالت قائم کرتا تھا' لیکن بعد میں مسجد میں بیٹھ کر مقدمات کے فیصلے کرنے لگے۔

محکمہ پولیس :

آپؓ نے شہریوں کے جان و مال کی حفاظت اور قیام امن کی خاطر مستقل محکمہ پولیس قائم کیا۔ آپ کے عہد

میں محکمہ پولیس کو احداث کہتے تھے' جو بعد میں "شرط" کہلانے لگا۔

جیل خانہ جات :

عہد فاروقی سے پہلے عرب میں جیل خانوں کا رواج نہ تھا۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے تاریخ اسلام میں پہلی بار مجرموں کی اصلاح اور ذہنی تربیت کے لئے جیل خانوں کی بنیاد ڈالی' تاکہ وہ اچھے شہری بن سکیں۔ جیل خانوں کے قیام کے بعد آپ ؓ نے بعض غیر منصوص سزاؤں میں تبدیلیاں کیں۔ مثلاً عادی شرابیوں پر حد جاری کرنے کے بجائے قید کی سزا مقرر کی گئی۔

محکمہ ڈاک :

حضرت عمر ؓ نے سرکاری و فوجی مراسلات اور مال غنیمت کو تیز رفتار اونٹوں اور گھوڑوں کے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کے لئے ایک محکمہ ڈاک قائم کیا۔ اس محکمہ کی بدولت حضرت عمر ؓ مدینہ میں ہوتے ہوئے وسیع مملکت اسلامیہ کے حالات سے باخبر رہتے اور دور دراز علاقے میں اسلامی فوجوں کو ہدایات بھیجا کرتے تھے۔

صیغہ محاصل :

حضرت عمر ؓ نے پہلی بار زمینوں کے خراج و محاصل کا نہایت وسیع اور مکمل نظام قائم کیا۔ آپ ؓ ہی نے مفتوحہ علاقوں کے بارے میں اجتہاد کیا اور انہیں فاتح فوج میں تقسیم کرنے کے بجائے حکومت کی ملکیت (خالصہ اراضی) قرار دیا' کیونکہ آپ ؓ جاگیرداری نظام کے برے اثرات سے واقف تھے۔ زمین کی آباد کاری اور زراعت کی ترقی کے لئے آپ ؓ نے یہ قانون بنایا کہ جو شخص کسی غیر آباد زمین کو آباد کرے گا' وہ اس کی ملکیت ہوگی۔ لیکن زمین لینے کے تین سال کے اندر اس کو آباد کرنا ضروری تھا۔ آپ ؓ نے خالصہ علاقوں (سرکاری علاقوں) سے حاصل ہونے والی آمدنی کو رفاہ عام کے کاموں کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔

محکمہ آبپاشی :

حضرت عمر فاروق ؓ نے زراعت کی ترقی کے لئے متعدد نہریں کھدوائیں' بند تعمیر کروائے' تالاب بنوائے اور ان کاموں کے لئے ایک نہایت وسیع محکمہ قائم کیا جس کے مصارف بیت المال سے ادا کئے جاتے تھے۔

محکمہ افتاء :

حضرت عمر ؓ نے بھی حضرت ابوبکر ؓ کے دور کی طرح عوام کی رہنمائی کے لئے محکمہ افتاء قائم کیا۔ حضرت عمر ؓ نے افتاء کے لئے خاص لوگ نامزد کئے تاکہ ہر کس و ناکس مسائل کی غلط تشریح نہ کر سکے۔ محکمہ افتاء کے افراد کا فرض تھا کہ عوام کی دینی رہنمائی کے ساتھ ساتھ ان کو متنازعہ فیہ مسائل کا حل بتائیں۔ فتویٰ دینے والے حضرات میں حضرت علی ؓ حضرت عثمان ؓ' حضرت معاذ بن جبل ؓ' عبدالرحمٰن بن عوف ؓ' ابی ابن کعب ؓ' زید بن ثابت ؓ' ابو ہریرہ ؓ اور ابو درداء ؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

بیت المال :

حضرت عمر ؓ نے بیت المال کے لئے کشادہ اور مضبوط عمارتیں تعمیر کروائیں۔ مرکزی بیت المال مدینہ میں اور ہر صوبے کے اہم ترین مقام پر صوبہ کا بیت المال تھا۔ اگرچہ بیت المال کا ادارہ حضور اکرم ؐ اور حضرت ابوبکر ؓ کے زمانے میں اپنی ابتدائی شکل میں قائم ہو گیا تھا۔ مگر اس میں کچھ جمع نہ رہتا تھا' کیونکہ سرکاری و انتظامی ضروریات میں صرف کرنے کے بعد جو کچھ بچتا تھا اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ لیکن حضرت عمر ؓ نے بیت المال کا باقاعدہ محکمہ قائم کیا' آمدنی اور اخراجات کے اصول وضع کئے۔ بیت المال کا حساب کتاب رکھنے کے لئے ایمان دار اور لائق افسر مقرر کئے۔ ہر صوبے کی آمدنی وہاں کے بیت المال میں جمع ہوتی تھی اور وہاں کی حکومت کے مصارف سے جو رقم بچتی وہ مدینہ کے مرکزی بیت المال میں بھیج دی جاتی۔ بیت المال کی آمدنی مندرجہ ذیل مدوں میں خرچ ہوتی تھی۔

(۱) جنگی و فوجی ضرورت (۲) سرکاری ملازمین کی تنخواہیں (۳) عوامی وظائف (۴) رفاہ عامہ (۵) سرکاری عمارتوں کی تعمیر (۶) قیدیوں کی ضروریات وغیرہ

صوبوں کی اضلاع میں تقسیم :

حضرت عمر فاروق ؓ نے صوبوں کو بھی انتظامی سہولت کے پیش نظر متعدد اضلاع میں تقسیم کیا۔ اضلاع کے افسر صوبائی گورنر کے تابع ہوتے تھے۔ ہر ضلع کے نظم و نسق کی نگرانی اور ٹیکسوں کی وصولی کے لئے ایک عامل (کمشنر) مقرر تھا۔ ہر ضلع میں ایک قاضی (مجسٹریٹ) بھی ہوتا تھا۔ جو عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرنے کا ذمہ دار ہوتا تھا۔

مبتدی تربیت گاہ ـــــ تاثرات و مشاہدات

ـــــ از قلم : مقبول شیخ ـــــ

مبتدی تربیت گاہ (منعقدہ ۱۶ نومبر تا ۲۱ نومبر ۹۷ء) کے بارے میں اپنے تاثرات لکھ رہا ہوں۔ تربیت گاہیں تو میں نے اس سے قبل بھی Attend کی ہیں (اس لئے کہ میرا تعلق اس سے قبل جماعت اسلامی سے رہا ہے) لیکن تنظیم اسلامی کی تربیت گاہ میں' میں نے جو خاص بات نوٹ کی وہ یہ کہ جہاں ایک طرف اسلام کا انقلابی فکر اور پھر اس کے لئے درکار اوصاف اور تاگزیر ہتھیاروں سے لیس ہونے کی طرف توجہ مبذول کروائی جاتی ہے وہاں اسلام کے سیاسی' سماجی اور معاشی تصورات اور نظم کو واضح کیا جاتا ہے جبکہ جماعت اسلامی میں خاص طور پر معاشرتی زندگی کے بعض گوشوں کی طرف بالکل توجہ ہی نہیں دی جاتی۔ تربیت گاہ میں بطور خاص ان کی توجہ مبذول کروائی جاتی ہے اور اس سلسلے میں اسلام کی روح اور منشاء کو واضح کر کے رفقاء تنظیم کو بتایا جاتا ہے کہ ان کا بھی التزام کرنا ہے۔ میری مراد عقائد اور خاص کر رسم و رواج اور پردہ سے متعلق امور ہیں جن کا عام طور پر معاصر دینی تحریکیں خیال نہیں رکھتیں۔ بڑے بڑے عابد اور زاہد اپنے ہاں اس سلسلے میں اسلامی روایات سے یکسر لاعلم ہونے کی وجہ سے ان پر عمل نہیں کر پاتے۔ تربیت گاہ میں بطور خاص برصغیر کے علاوہ دیگر اسلامی ممالک کی دینی تحریکوں کا تقابلی جائزہ بہت ہی مفید سلسلہ ہے۔ اس مطالعے سے یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ یہ تحریکیں اگر اپنا مقصد حاصل کرنے میں ناکام رہی ہیں تو وہ کونسے عوامل ہیں' جن سے سبق حاصل کر کے تنظیم اسلامی نے اپنے لئے لائحہ عمل مرتب کیا ہے۔ اس تربیت گاہ کا خاص پروگرام یہ ہے کہ اس میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی ذاتی زندگی کے مختلف گوشوں سے رفقاء کو تفصیل سے آگاہ کیا جاتا ہے تاکہ رفقاء کے ذہن میں اپنے امیر کے حوالے سے کوئی اشکال پیدا نہ ہو سکے۔ دیگر تحاریک کے قائدین عموماً اپنی ذاتی زندگی سے متعلق اپنے کارکنوں کو آگاہ نہیں کرتے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پھر ان کے ذہنوں کے اندر طرح طرح کے اشکالات پیدا ہوتے ہیں جو اس تنظیم کے لئے نقصان دہ ہو سکتے ہیں۔

اس تربیت گاہ کے دوران نئے شامل ہونے والے رفقاء کو ایک ہفتے کے لئے پابندی وقت اور ڈسپلن کی تربیت بھی حاصل ہو جاتی ہے اور براہ راست اپنے مرکزی قائدین کا تعارف اور قرب بھی حاصل ہوتا ہے۔ ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا موقع ملتا ہے جس کے نہایت اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ آخر میں ـــــ میں یہ کہنا چاہوں گا کہ تنظیم میں نئے شامل ہونے والے رفقاء کو مبتدی تربیت گاہ کی اہمیت کو محسوس کرنا چاہئے کیونکہ اکثر رفقاء اس طرح کے پروگراموں کو اتنی اہمیت نہیں دیتے۔ جو فرد واقعی اقامت دین کے لئے تنظیم اسلامی میں شامل ہوا ہے' اسے فی الفور اس پروگرام میں شرکت کے لئے وقت نکالنا چاہئے تاکہ وہ اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے مطلوبہ اوصاف' لوازمات' نظم کی اہمیت اور اس سے عہدہ برا ہونے کے تقاضوں سے آگاہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو' ہماری مساعی کو قبول فرمائے اور ہمارے کردار و اعمال کے اندر تاثیر پیدا کر دے تاکہ لوگ ہماری طرف متوجہ ہو سکیں۔ آمین

لاہور چھاؤنی کے زیر اہتمام منعقدہ تفہیم دین کورس کی روداد

مرتب : وسیم احمد' لاہور چھاؤنی

جن نامساعد حالات سے آج ہم بحیثیت فرد اور قوم گزر رہے ہیں وہ ہم سب کے لئے لمحہ فکریہ ہیں۔ آج حالات جس قدر تشویشناک اور مایوس کن ہیں اس سے پہلے کبھی نہ تھے۔ ملک کا ہر ذی شعور اور درد مند شہری یہ سوچ رہا ہے کہ کل کیا ہو گا؟ لیکن حالات کے سدھرنے کی مستقبل قریب میں کہیں امید نظر نہیں آتی۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حالات بد سے بدتر ہوتے چلے جائیں گے۔ ناامیدی کے ان گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکلنے کی واحد صورت یہ ہے کہ ہم اللہ اور اس کے رسولؐ کی بغاوت چھوڑ کر بحیثیت فرد اور قوم اپنی زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے مخلصانہ جدوجہد شروع کر دیں۔ یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب ہمیں معلوم ہو کہ ہمارا دین ہم سے کیا تقاضا کرتا ہے اور ہم اللہ کی بندگی کا حق کیسے ادا کر سکتے ہیں؟ از روئے حدیث "علم حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد و عورت) پر فرض ہے"۔ یہ عبارت تنظیم اسلامی لاہور چھاؤنی کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے تفہیم دین کورس کے تعارفی پمفلٹ کی ہے' جو کثیر تعداد میں چھپوا کر عوام الناس میں تقسیم کیا گیا۔ یہ کورس ۲۸ نومبر سے ۲ دسمبر ۹۷ء روزانہ بعد نماز مغرب تا عشاء مسجد خدام القرآن' اکیڈمی روڈ والٹن میں جاری رہا۔ پہلے دن جناب فتح محمد قریشی نے کورس کے اغراض و مقاصد اور طریقہ کار کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ اس کورس کا مقصد ہر قسم کی جماعتی' سیاسی اور فرقہ بندیوں سے دور رہتے ہوئے اس دین کو سمجھنا ہے' جو محمد عربی لے کر آئے۔ ہم نے اس کورس کے لئے خالصتاً دینی موضوعات کا انتخاب کیا ہے یعنی ایمانیات' نبی اکرمؐ سے تعلق کی بنیادیں' راہ نجات' اسلام کیا ہے؟ دین یا مذہب اور ہماری دینی ذمہ داریاں۔ اس کے علاوہ روزانہ ۱۵ منٹ طہارت اور نماز کے مسائل کے لئے مختص کئے گئے تھے۔ محترم قریشی صاحب نے درس کے طریقہ کار کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ روزانہ لیکچر کے بعد معروضی سوالنامہ (Objective Type Question Paper) تقسیم کیا جائے گا۔ اور آخری دن نمایاں پوزیشن حاصل کرنے والے احباب میں انعامات تقسیم کئے جائیں گے۔ حسب پروگرام تفہیم دین کورس کا آغاز ہوا۔ جناب فتح محمد قریشی نے طہارت کے مسائل بیان کئے۔ اس کے بعد چودھری رحمت اللہ بٹر صاحب کو دعوت خطاب دی گئی' موضوع تھا "ایمانیات"۔ آپ نے کہا کہ ایمان دین کی بنیاد ہے اور لفظ ایمان امن سے بنا ہے۔ ایمان کے اصطلاحی معنی ہر اس چیز کی تصدیق ہے جو نبی اکرمؐ لے کر آئے ہیں۔ ایمان کی تین اقسام ہیں۔ ایمان باللہ' ایمان بالرسالت اور ایمان بالمعاد یعنی مالک کے سامنے حاضری اور جوابدہی کا یقین۔ حاضری ۵۰ سے متجاوز تھی۔

۲۹/ نومبر بروز ہفتہ محمد مبشر نے "نبی اکرمؐ سے تعلق کی بنیادیں" کے موضوع پر خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ جب تک ہم آنحضورؐ سے اپنا تعلق ان کے مقصد بعثت کے حوالے سے استوار نہیں کرتے' اس وقت تک نہ تو ہماری عملی زندگی میں کوئی تبدیلی آئے گی اور نہ ہماری زندگی کا نصب العین تبدیل ہو گا اور نہ ہی ہم اس ضمن میں قرآن مجید کی رہنمائی سے استفادہ کر سکیں گے۔ انہوں نے سورہ الاعراف کی آیت نمبر ۱۵۷ کے حوالے سے نبی اکرمؐ سے تعلق کی چار بنیادوں (ایمان' ادب و احترام' نصرت و حمایت اور عملی رہنمائی کے لئے اتباع قرآن) کی ضرورت پر زور دیا۔

۳۰/ نومبر کا موضوع تھا "راہ نجات" اور مقرر تھے جناب حافظ محمد اقبال۔ حافظ صاحب نے سورہ العصر کے حوالے سے کہا کہ کسی بھی انسان کے لئے دائمی خسارے سے بچنے کا انحصار چار شرائط کو پورا کرنے میں ہے۔ (۱) اللہ تعالیٰ پر ایمان یعنی اس بات کو دل سے تسلیم کر لے کہ اس کائنات کا خالق اور مالک اللہ ہے۔ (۲) نیک اعمال یعنی جن غیبی حقائق پر ایمان لائے اس کے مطابق عمل بھی کرے۔ (۳) ایمان اور عمل کے جس راستے پر وہ خود گامزن ہوا ہے' اس کی دعوت دوسروں کو دے۔ (۴) اور اگر اس راستے میں مشکلات اور مصائب آئیں تو ان سے گھبرا کر راستہ نہ بدل لے بلکہ سختیوں کو برداشت کرتے ہوئے صراط مستقیم پر ڈٹا رہے۔

یکم دسمبر کو پروفیسر فیاض حکیم (امیر حلقہ پنجاب شرقی) کے لئے مختص تھا موضوع تھا "اسلام کیا ہے؟ دین یا مذہب" انہوں نے کہا کہ اسلام مذہب نہیں' بلکہ دین ہے۔ معاشرتی پہلو میں مساوات' معاشی پہلو میں امانت اور سیاسی پہلو میں خلافت کو بنی نوع انسان کے لئے دائمی امن و سکون کے حصول کا ذریعہ ثابت کیا۔ انہوں نے کہا کہ اس نظام کے مقابلے میں اسلام کو محض رسومات اور عقائد کا ایک مجموعہ بنا کر مذہب کے نام سے پیش کرنا اس کی روح کے خلاف ہے۔ آخر میں انہوں نے اس نظام کو قائم و نافذ کرنے کے لئے شرکاء کو اپنا تن من دھن لگانے کی دعوت دی۔

۲ دسمبر کورس کا آخری دن تھا۔ موضوع "ہماری دینی ذمہ داریاں" تھا' مقرر جناب فتح محمد قریشی تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہر مسلمان کو چاہئے کہ سب سے پہلے خود دین پر عمل پیرا ہو۔ ہماری دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم اس دین کو پھیلائیں اور تیسری یہ کہ ہم دین کو قائم و نافذ کرنے کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دیں۔ انہوں نے دین کے قیام کے لئے بیعت کی بنیاد پر قائم تنظیم اسلامی کے فکر کو اجاگر کرتے ہوئے شرکاء کو تنظیم میں شمولیت کی دعوت دی۔ احباب نے اس کورس میں بہت ذوق و شوق سے شرکت فرمائی اور اوسطاً 20 احباب روزانہ لیکچر سنتے رہے' چند احباب اس کی آڈیو ریکارڈنگ بھی کرتے رہے۔ کورس کے اختتام پر مہمان خصوصی ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی جناب عبدالرزاق صاحب نے خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ مادہ پرستی کے موجودہ دور میں وہ لوگ مبارک باد کے مستحق ہیں جنہوں نے تفہیم دین کورس کے لئے اپنی مصروفیات سے وقت نکالا ہے۔ انہوں نے مختصراً پانچوں دن کے تمام موضوعات کا احاطہ کرتے ہوئے شرکاء کورس کو اپنی ذمہ داریاں پہچاننے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی۔ پروگرام کے آخر میں راقم نے شرکاء کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان کے ذوق و شوق کو خراج تحسین پیش کیا۔ منتظمین اور مقررین خصوصاً جناب فتح محمد قریشی کا بھی شکریہ ادا کیا جنہوں نے ایک مفصل خطاب کے علاوہ پانچوں دن درسگی نماز کے حوالے سے لیکچر دیئے۔ جناب عبدالرزاق نے کورس میں نمایاں پوزیشن حاصل کرنے والے احباب میں انعامات تقسیم کئے۔ پہلا انعام جناب محمد نواز گل' دوسرا انعام محمد عبدالرحمٰن الیاس اور تیسرا انعام جناب ساجد قریشی کے حصے میں آیا۔ اس کورس کی بدولت تین احباب تنظیم اسلامی میں شامل ہو چکے ہیں۔

حلقہ پنجاب شمالی کا اجلاس مشاورت اور شب بسری پروگرام

6/ دسمبر 97ء کو بعد نماز مغرب ناظم حلقہ جناب شمس الحق اعوان کی زیر صدارت حلقہ کی شوریٰ کا اجلاس سورہ العصر کی تلاوت سے ہوا۔ بعد ازاں ایجنڈا پیش ہوا۔ ناظم حلقہ نے مرکز سے موصولہ ہدایات اور احکامات پڑھ کر سنائے۔ رمضان المبارک کے دوران عظمت قرآن اور مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق نامی کتابچے بڑی تعداد میں عوام الناس میں تقسیم کرنے کا فیصلہ ہوا۔

ناظم حلقہ نے ذاتی رابطہ کے متعلق صورتحال پر تبصرہ کرتے ہوئے بورڈ پر ایک فلو چارٹ بنا کر ذاتی رابطہ کرنے کا طریقہ واضح کیا۔ ناظم حلقہ نے عملی و فکری گفتگو کے دوران ایک نئی چیز سمجھائی کہ تعلیم کے دو نظام کئی صدیوں سے مسلسل چلے آ رہے ہیں ایک کو انہوں نے تعلیم بالمصلیٰ کا نام دیا جو مامون الرشید کے دور میں نظام الملک طوسی اور اس کے بعد نظام لکھنوی اور اب درس نظامی کی صورت میں رائج چلی آ رہی ہے۔ دوسرے کو انہوں نے تعلیم بالحرکت کو واضح کیا اور بتایا کہ یہ امام حسنؒ اور نفس ذکیہ سے لے کر شاہ اسماعیل شہیدؒ اور سید احمد بریلویؒ سے ہم تک پہنچا۔

(مرتبہ : نوید احمد عباسی)

تنظیم اسلامی کراچی ضلع جنوبی کا ایک روزہ پروگرام

تنظیم اسلامی کراچی ضلع جنوبی کا ایک روزہ پروگرام ۲۰ دسمبر نماز عشاء سے شروع ہو کر ۲۱ دسمبر مغرب کو اختتام پذیر ہوا۔ پروگرام کا آغاز درس حدیث سے ہوا' جس کی ذمہ داری جناب عبدالرحمٰن نے ادا کی۔ مسجد کے آداب سے متعلق احادیث بیان کی گئیں۔ اس کے بعد مطالعہ لٹریچر کا پروگرام ہوا جس میں امیر محترم کی کتاب "اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید اور اس سے انحراف کی راہیں" کا پہلا باب فکر اسلامی کی تجدید اور علامہ اقبال کا مطالعہ کیا گیا۔ صبح 4:30 بجے رفقاء نے انفرادی نوافل ادا کئے اور فجر تک تلاوت وذکر میں مشغول رہے۔ نماز فجر کی ادائیگی کے بعد درس قرآن ہوا یہ ذمہ داری محترم عبدالرحمٰن نے ادا کی۔ درس کے بعد رفقاء کو ایک دعائے مسنونہ یاد کرائی گئی۔ ناشتہ و دیگر ضروریات سے فراغت کے بعد امیر محترم کی ویڈیو کیسٹ بعنوان "مروجہ تصوف یا سلوک محمدیؐ یعنی احسان اسلام" دیکھی گئی۔ اس کے بعد ایک روزہ پروگرام تنظیمی اجتماعات میں شریک نہ ہونے والے رفقاء کے گھر جا کر ان سے ملاقات اور ترغیب وتشویق کے ذریعہ تنظیمی ذمہ داریوں کو ادا کرنے پر آمادہ کرنے کا پروگرام بنایا گیا۔ رفقاء کو چار گروپس میں تقسیم کر دیا گیا اور تقریباً ۱۲ رفقاء کے گھر پہنچا ہوا۔ اکثر رفقاء سے ملاقات ہو گئی جب کہ دو رفقاء نے اسی وقت ایک روزہ کے بقیہ پروگراموں میں شرکت کی۔ اس کے ساتھ ہی رفقاء نے ظہر کی نماز مختلف مساجد میں ادا کی اور دورہ ترجمہ قرآن کے ہینڈ بلز تقسیم کئے گئے۔ ظہرانہ کے بعد محترم شمیم احمد نے رفقاء سے گفتگو کی۔ جس میں آپ نے حسن اخلاق اور خصوصی طور پر غصہ کو قابو میں رکھنے پر زور دیا۔ ان کی گفتگو کا دوسرا نکتہ عقل ودل تھا۔ انہوں نے کہا کہ بہت سے دینی حقائق عقل میں نہیں آسکتے ان کو ہم دل کی آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں۔ ایمان کا تعلق بھی دل سے ہے' دلوں میں ایمان کو جاگزیں کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کی گفتگو کا تیسرا نکتہ نماز کی اہمیت تھا۔ نماز دین کا ستون ہے' نماز فحش باتوں سے روکتی ہے' اگر نماز ان کاموں سے نہ روکے تو وہ نماز ہی نہیں ہے۔ شمیم صاحب کے بعد جناب نجم الحسن نے کمپیوٹر اور پروجیکٹر کی مدد سے حدیث جبرائیل کی وضاحت کی۔ بعد نماز عصر حالات حاضرہ پر گفتگو ہوئی اور آخر میں حدیث کے بیان پر اس ایک روزہ پروگرام کا اختتام ہوا۔ (مرتب : واحد علی رضوی)

حدیث نبوی ﷺ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میری امت میں یہ برائیاں پیدا ہو جائیں تو ان پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے۔

- جب سرکاری مال ذاتی جاگیر بنالیا جائے گا۔
- امانت کو مال غنیمت سمجھا جائے گا۔
- زکوٰۃ کو جرمانہ محسوس کیا جائے گا۔
- خاوند بیوی کا اطاعت گزار ہو گا' لیکن ماں کا نافرمان ہو گا۔
- آدمی دوستوں سے بھلائی کرے گا لیکن ماں باپ پر ظلم کرے گا۔
- بزرگوں پر لعن طعن اور زبان درازی کی جانے لگی گی۔

جب یہ سب کچھ ہونے لگے گا تو لوگوں کو چاہئے کہ وہ ہر وقت قہر الٰہی کے منتظر رہیں۔ خواہ وہ سرخ آندھی یا زلزلہ کی شکل میں آئے یا صورتیں مسخ ہو جانے کی صورت میں۔

(مرسلہ : سید نجم الحسن گنوڑوی)

ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں

نعیم اختر عدنان

☆ جسٹس سجاد علی شاہ کے بعد جسٹس مختار جونیجو بھی رخصت پر چلے گئے۔ (ایک خبر)

✪ لگتا ہے محترم جج صاحبان نے "حکومتی سبق" یاد نہیں کیا اس لئے انہیں آسانی سے چھٹی مل گئی ہے وگرنہ سبق یاد کرنے والوں کو کب چھٹی ملتی ہے۔

☆ تھانوں میں غریبوں سے رشوت لینے والوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ (شہباز شریف)

✪ آہستہ آہستہ عارف نکئی کی روح شہباز شریف میں حلول کر رہی ہے۔

☆ رفیق تارڑ کو صدر بنا کر نواز شریف نے خود بحران پیدا کر لیا۔ (عاصمہ جہانگیر)

✪ محترمہ! تارڑ صاحب آپ کے لئے "ٹیرر" ثابت ہو سکتے ہیں۔

☆ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس اجمل میاں نے بلوچستان زندہ باد کا نعرہ لگا دیا۔ (ایک خبر)

✪ پختون خواہ کے علمبردار اجمل خٹک سے تو جسٹس اجمل میاں بازی لے گئے ہیں۔

☆ ڈی صدر سے بہتر تھا کہ یہ عہدہ ہی ختم کر دیا جاتا۔ (اقبال احمد خاں)

✪ خان صاحب میاں نواز شریف سے کچھ زیادہ ہی ناراض ہیں۔

☆ ایوان چلانے سے پہلے سواریاں تو پوری کر لیں۔ (نوابزادہ منصور علی خان)

✪ اسمبلی کے سپیکر کہہ سکتے ہیں کہ : کیا جمہوری پارٹی کی سواریاں پوری ہو گئی ہیں' جو ہمیں یہ نیک مشورہ دیا جا رہا ہے؟۔

☆ ملک کی باگ ڈور صدر اور وزیر اعظم کے ہاتھ میں ہے۔ (شیخ رشید)

✪ شیخ صاحب صدر صاحب کو خواہ مخواہ "بدنام" نہ کریں آپ کی مہربانی ہو گی۔

☆ بنیاد پرست نہیں' روشن خیال مسلمان ہوں۔ (صدر رفیق تارڑ)

✪ تارڑ صاحب! آپ کو بہت جلد "حقیقت پسند" بننے پر خراج تحسین پیش کرنا چاہتا تھا مگر.....

☆ نواز شریف کو گھر کا صدر مل گیا ہے' اب وعدے پورے کریں۔ (مولانا فضل الرحمٰن)

✪ مولانا کونسے وعدے! ذرا عوام کو تفصیل بھی بتائیے گا۔

☆ نواز شریف کو ۱۵ سال مزید حکومت کرنے کا موقع دیا جائے۔ (وزیر اعلیٰ لیاقت علی جتوئی)

✪ سندھ کے وزیر اعلیٰ کا یہ بیان شاہ سے زیادہ "شاہ" کا وفادار بننے کی ادنیٰ کوشش کا مظہر ہے۔

☆ نواز شریف کا آدمی نہیں ہوں۔ (رفیق تارڑ)

✪ کس کو کہہ رہے ہو!

☆ رمضان کا مہینہ شروع ہوتے ہی اشیائے صرف کی قیمتوں میں اضافہ۔ (سروے رپورٹ)

✪ حکومتی ٹیم تو شاید "نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز" کا راگ ہی الاپے گی۔

☆ غریبوں کی زندگی بدلے بغیر' قیام پاکستان کے مقاصد پورے نہیں ہو سکتے۔ (شہباز شریف)

✪ وزیر اعلیٰ صاحب! ایسے بے مقصد بیانات دے کر غریبوں کے زخموں پر نمک پاشی کریں۔

☆ امریکہ سے تعلقات بہتر نہیں کرنا چاہتے۔ (آیت اللہ خامنہ ای)

✪ شیطان بزرگ : مردہ باد

☆ ترقیاتی ادارہ لاہور میں ۲۱ کاغذی مالی ناجائز تنخواہیں وصول کر رہے ہیں۔ (ایک خبر)

✪ کاغذی پھولوں کے بعد "کاغذی مالیوں" کی اصطلاح اردو زبان میں ایک اچھا اضافہ ہے۔

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور
سی پی ایل نمبر: 127
جلد ۷، شمارہ 2
سالانہ زرتعاون ۔/۳۵۰ روپے

پبلشر: محمد سعید اسعد طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس۔ ریلوے روڈ، لاہور
مقام اشاعت: ۳۶۔کے، ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: ۵۸۶۹۵۰۱-۰۴۲

معاونین برائے مدیر:
○ مرزا ایوب بیگ ○ نعیم اختر عدنان
○ سردار اعوان ○ فرقان دانش خان
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

"مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا"

جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں (حدیث نبوی)

گھی، دودھ سے حاصل کردہ چکنائی کو کہتے ہیں، اس کے علاوہ کسی دوسری چکنائی کو گھی نہیں کہا جاسکتا بلکہ وہ تو مختلف اقسام کے تیل ہیں جو گھی کے نام پر فروخت ہوتے ہیں

جدید تحقیق کے مطابق دیسی گھی بہترین قدرتی چکنائی ہے

قدرتی طور پر وٹامن اے اور ڈی سے بھرپور

دیسی گھی کا بہترین تحفہ

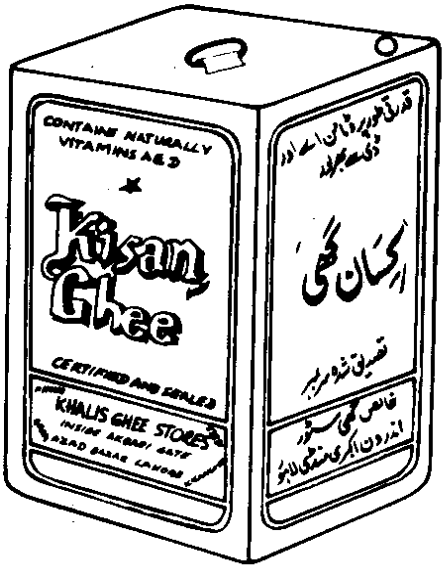

کسان گھی

آپ کا آزمودہ

متبادل چکنائیوں کی نسبت زود ہضم اور لذیذ

پنجاب کے دیہاتوں سے حاصل کردہ
خوش رنگ قدرتی خوشبو کے ساتھ

ایک کلو، ۲½ کلو، ۴½ کلو اور ۱۶ کلو کے سربمہر ٹن کے ڈبوں میں پیک شدہ

پیکرز: خالص گھی سٹورز

آزاد بازار، اکبری منڈی لاہور، فون: 7562852-7242135